جہالت کیخلاف بھرپور جہاد

خطباتِ مدراس

سید سلیمان ندوی

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
پر
ایک نہایت مؤثر اور معلومات افزا
کتاب

قیمت ۳/۵۰ روپے

زیرِ ادارت
محمد زمان آسی

اچھی اور سستی کتب کا سلسلہ

خط و کتابت اور ترسیل
کے لیے
گلستان پبلیکیشنز
۴۰- اردو بازار لاہور

یہ رسالہ نما کتاب

خُطباتِ مدارس

دنیائے اسلام کے معروف عالمِ دین جناب سیّد سُلیمان ندوی کے اُن آٹھ عظیم الشان خطبات کا مجموعہ ہے جو آپ نے عیسائی مبلغین کے جواب میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات، مدراس کے لالی ہال میں اکتوبر، نومبر ۱۹۲۵ء کو دیئے گئے۔ ان میں مخالفین کے اعتراضات کا مسکت جواب موجود ہے۔ ان خطبات کی اہمیت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مدراس کے اردو اور انگریزی اخبارات نے نہایت اہتمام سے انہیں شائع کیا اور پڑھے لکھے نوجوانوں نے جوش و خروش سے سراہا۔ اب تک اس کے کتنے ہی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم، اچھی اور سستی رسالہ نما کتب کے سلسلے کا آغاز، اس عظیم الشان اور مقبولِ عام کتاب سے کر رہے ہیں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ اچھی اور سستی کتب کے قارئین ہماری اس کوشش کو شرفِ قبولیت بخشیں گے اور دستِ تعاون بڑھا کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پہلا خطبہ

انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم السّلام کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے

دنیا کا یہ طلسمی کارخانہ رنگا رنگ عجائبات سے معمور ہے، قسم قسم کی مخلوقات ہیں، ہر مخلوق کی علیحدہ علیحدہ صفتیں اور خاصیتیں ہیں، جمادات سے لے کر انسان تک اگر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ بتدریج اور آہستہ آہستہ ان میں احساس، ادراک اور ارادہ کی ترقی ہوتی جاتی ہے، جمادات کی ابتدائی قسم مثلاً ذرات (ایٹمز) یا پتھر ہر قسم کے احساس، ادراک اور ارادہ سے خالی ہے، جمادات کے اور اقسام میں ایک طرح کی زندگی کا ہلکا سا نشان ملتا ہے نباتات میں احساس کی ایک غیر ارادی کیفیت نشو و نما کی صورت میں جلوہ گر معلوم ہوتی ہے حیوانات میں احساس کے ساتھ ارادہ کی حرکت بھی ہے، انسان میں احساس، ادراک اور ارادہ پورے کمال کے ساتھ پایا جاتا ہے، یہی احساس، ادراک اور ارادہ ہماری تمام ذمہ داریوں کا اصلی سبب ہے، مخلوق کی جس صنف میں جس حد تک یہ چیزیں کم ہیں، اسی حد تک وہ ارادی فرائض کی ذمہ داریوں سے آزاد ہے۔ جمادات سرے سے ہر قسم کے فرائض سے محروم ہیں، نباتات میں زندگی اور موت کے کچھ فرائض پیدا ہو جاتے ہیں حیوانات میں کچھ اور فرائض بڑھ جاتے ہیں، انسانوں کو دیکھئے تو وہ فرائض کی پابندیوں سے سراسر جکڑا ہوا ہے، پھر انسان کے مختلف افراد پر نظر ڈالیے تو مجنون، پاگل، بیوقوف، بچے، ایک طرف، اور عاقل، بالغ، دانا، ہشیار، عالم دوسری طرف، اسی احساس، ادراک اور ارادہ کی کمی و بیشی کے لحاظ سے اپنے اپنے فرائض کچھ نہیں رکھتے، یا کم رکھتے ہیں، یا بہت زیادہ رکھتے ہیں۔

دوسری حیثیت سے دیکھئے کہ جس مخلوق میں احساس، ادراک اور ارادہ کی جتنی کمی ہے۔ اتنی ہی فطرت اور قدرتِ الٰہی اس کی پرورش اور نشو و نما کے فرائض کا بار خود اپنے اوپر اٹھانے ہے، اور جیسے جیسے مخلوقات آنکھیں کھولتی جاتی ہے، فطرت اس بار کو اُس کے احساس و ادراک و ارادہ کے مطابق ہر صنف مخلوق پر ڈالتی جاتی ہے، پہاڑوں کے لعل و گہر کی پرورش کون کرتا ہے؟ سمندر کی مچھلیوں کو کون پالتا ہے؟ جنگل کے جانوروں کی غور و پرداخت کا فرض کون انجام دیتا ہے، ؟ حیوانات کی بیماری اور گرمی سردی کی دیکھ بھال کون کرتا ہے؟ یہاں تک کہ سرد یا گرم مقامات کے رہنے والے حیوانوں اور پہاڑی، جنگلی اور صحرائی جانوروں میں بھی باوجود ایک ہی قسم کی نوعِ حیوان ہونے کے آب و ہوا کی مختلف ضروریات کی بنا پر آپ ان کی ظاہری حالتوں میں صریح فرق پائیں گے، یورپ کے کتے اور افریقہ کے کتے کی ضرورتوں میں موسم اور آب و ہوا کے اختلاف کے سبب سے جو اختلاف ہے اس کا سامان بھی فطرت خود اپنی طرف سے کرتی ہے، اور اسی لیے مختلف آب و ہوا اور موسم کے ملکوں کے جانوروں میں پنجہ، بال، روئیں، کھال کے رنگ اور اور چیزوں میں سخت اختلافات پائے جاتے ہیں۔

یہ تو حصولِ منفعت کی صورتیں اور شکلیں تھیں، جن سے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ جہاں جس حد تک احساس، ادراک اور ارادہ کی کمی ہے، فطرت اور قدرت خود اس کمی کی کفالت کر لیتی ہے، اور جیسے جیسے مخلوقاتِ الٰہی درجہ بدرجہ بلوغ کے مرتبہ کو پہنچتی جاتی ہے فطرت منافع کی صورتیں خود ان کے قویٰ کے سپرد کر کے علیحدہ ہوتی جاتی ہے۔ انسان کو اپنی روزی کا سامان آپ کرنا پڑتا ہے، وہ کاشتکاری اور درختوں کے لگانے اور میووں کے پیدا کرنے کی محنت اٹھاتا ہے، سردی گرمی سے بچنے کے لیے اس کو فطری کھال، روئیں اور اُون نہیں دیئے گئے، اس کا سامان مختلف لباسوں کی شکل میں اس کو خود کرنا ہوتا ہے، بیماریوں اور زخموں کو دور کرنے کے لیے اس کو خود کوشش کرنی پڑتی ہے۔

دوسری طرف دیکھئے کہ جہاں جس حد تک احساس اور ارادہ کا ضعف ہے، دشمنوں سے بچاؤ، اور زندگی کی حفاظت کا سامان فطرت نے خود اپنے ذمہ لے لیا ہے، مختلف جانوروں کو ان کی حفاظت کے لیے مختلف ذریعے دیئے گئے ہیں، کسی کو تیز پنجے، کسی کو نکیلے دانت، کسی کو سینگ، کسی کو اڑنا، کسی کو تیرنا، کسی کو تیز دوڑنے کی قوت، کسی کو ڈنک، کسی کو دانتوں کا زہر، غرض مختلف آلات و اسلحہ سے خود فطرت نے ان کو مسلح کر دیا ہے، مگر غریب انسان کو دیکھو کہ اس کے پاس اپنے بچاؤ کے لیے، نہ ہاتھی کے بڑے بڑے دانت اور سونڈ ہیں، نہ شیروں کے نکیلے دانت اور پنجے، نہ بیلوں کے سینگ، نہ کتوں اور سانپوں کا زہر، نہ بچھوؤں اور بھڑوں کے ڈنک، غرض ظاہری حیثیت سے وہ ہر طرح نہتا اور غیر مسلح بنایا گیا ہے، مگر ان سب کی جگہ اس کو احساس، ادراک، تعقل اور ارادہ کی زبردست قوتیں دی گئی ہیں، اور یہی معنوی قوتیں، اس کی ہر قسم کی ظاہری کمزوریوں کی تلافی کرتی ہیں، وہ اپنی ان معنوی قوتوں سے بڑے بڑے دانتوں اور سونڈوں والے ہاتھیوں کو زیر کر لیتا ہے، تیز پنجے اور بڑے جبڑے والے شیروں کو چیر ڈالتا ہے، خوفناک زہریلے سانپوں کو پکڑ لیتا ہے، ہوا کے پرندوں کو گرفتار کر لیتا ہے، پانی کے جانوروں کو پھنسا لیتا ہے، اور اپنے بچاؤ کے لیے سینکڑوں قسم کے ہتھیار، اسلحہ اور سامان پیدا کرتا رہتا ہے۔

دوستو! تم خواہ کسی مذہب اور کسی فلسفہ کے معتقد ہو تم کو یہ تسلیم کرنا ہوگا، کہ تمہاری انسانی ذمہ داریوں کا اصلی سبب، تمہارے احساس، ادراک، تعقل اور ارادہ

کی قوتیں ہیں، اسلام میں ان ذمہ داریوں کا شرعی نام تکلیف ہے، یہ تکلیف خود ہمارے اندرونی اور بیرونی قوتوں کے مطابق تم پر عائد ہے، اسلام کا خدا یہ اصول بتاتا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (بقرہ)
خدا کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا، لیکن اس کی وسعت کے مطابق،

یہی "تکلیف" کی ذمہ داری اور فرض ہے، جو دوسری جگہ امانت کے لفظ سے قرآن میں ادا ہوا ہے، یہ امانت کا بار جمادات، نباتات، حیوانات، بلکہ بڑے بڑے پہاڑوں اور اونچے آسمانوں کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن ان میں سے کوئی اس کو اٹھا نہ سکا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (احزاب-۹)
ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش کیا، تو انھوں نے (فطری عدم صلاحیت کی بناء پر لرزاں حال سے) اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈرے، پھر انسان نے اس کو اٹھا لیا بے شک وہ ظالم اور نادان تھا۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید — قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

"ظالم" و "نادان" "دیوانۂ عشق" کی دوسری تعبیر ہے۔ "ظالم" یعنی اپنی حد سے آگے بڑھ جانے والا، یہ صفت انسان کی عملی قوت کی بے اعتدالی کا اور "جاہل و نادان" ہونا اس کی عقلی و ذہنی قوت کی بے اعتدالی کا نام ہے، "ظلوم" کا مقابل "عادل" اور "جہول" کا مقابل "عالم" ہے، "عدل" اور "علم" جو بالفعل انسان کو حاصل نہیں، ان کو حاصل کرنے کے لیے اس کی عملی قوت میں عدل یعنی میانہ روی، اور اعتدال، اور ذہنی قوت میں "علم" اور معرفت کی ضرورت ہے، قرآن مجید کی اصطلاح میں عدل کا دوسرا نام "عمل صالح" اور علم کا دوسرا نام "ایمان" ہے،

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (العصر)
زمانہ کی قسم، بے شک انسان گھاٹے میں ہے، لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے۔

یہ نقصان اور گھاٹا، وہی ظلم عملی اور جہل علمی ہے، اور اس کا علاج "ایمان" یعنی علم صحیح اور "عدل" یعنی عمل صالح ہے، اس واقعہ کی شہادت میں کہ انسانیت اس وقت تک گھاٹے اور ٹوٹے میں ہے، جب تک اس کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق نہ ملے، اللہ تعالیٰ نے زمانہ کو پیش کیا ہے، زمانہ سے مقصود وہ واقعات، حوادث اور آثار ہیں جو زمانہ کے آغاز سے آج تک دنیا میں ظہور پذیر ہوئے ہیں، کارلائل کے مشہور فقرہ کے مطابق "تاریخ صرف بڑے لوگوں کی سوانح عمریوں کے سلسلہ" کا نام ہے، زمانہ کی تاریخ خود اس بات پر گواہ ہے کہ دنیا میں وہ تمام قومیں اور قوموں کے وہ تمام افراد ہمیشہ گھاٹے اور ٹوٹے میں رہے ہیں، اور برباد و ہلاک ہوئے ہیں، جو ایمان اور عمل صالح سے محروم تھے۔

دنیا کے تمام آسمانی صحیفے، تمام مذہبی کتابیں، تمام اخلاقی قصے، اور انسانوں کے بننے اور بگڑنے کی تمام حکایتیں، ظلم و جہل اور ایمان و عمل صالح کی دو رنگیوں سے معمور ہیں، ایک طرف ظلم، جہل، شر، تاریکی، دوسری طرف عدل، عمل صالح، خیر اور نور کی حکایتیں، داستانیں اور تاریخیں ہیں، اور جن افراد نے ان انسانی ذمہ داریوں کو قبول کیا، ان کی تعریف، اور جنھوں نے ان سے انکار کیا ان کی برائی کے بیانات ہیں، یونانی الیڈ، رومی پیرلل لائوز، ایرانی شاہنامہ، ہندی مہابھارت اور راماین اور گیتا کیا ہیں؟ ہر قوم کے سامنے اس کے بڑے بڑے اشخاص، اور اکابر رجال کی زندگیوں سے علم و جہل، ظلم و عدل، خیر و شر اور ایمان و کفر کی معرکہ آرائیوں کی عبرت آموز مثالیں ہیں، تاکہ ہر قوم ظلم، شر اور کفر کے برے نتیجوں سے بچ کر، عدل، خیر اور ایمان کی مثالوں سے فائدہ اٹھائے۔

تورات، انجیل، زبور، اور قرآن پاک کے بیشتر مضامین کیا ہیں؟ ظالم، شریر اور کافر قوموں اور افراد کی تباہی اور عادل، نیک اور مومن قوموں اور افراد کی سعادت اور فلاح و کامیابی کی نظیریں، تاکہ ان کو سن کر ظالم عادل بنیں، شریر نیک ہوں، اور کافر مومن بن جائیں، اسی لیے خاتم النبیین علیہ السلام سے پہلے ہر زمانہ میں، اور ہر ملک میں خدا کے پیغمبر اور فرستادے آئے کہ وہ اپنی قوموں کے سامنے اپنی زندگی نمونہ کے طور پر پیش کریں، تاکہ ان کی پوری قوم یا اس کے نیک افراد فلاح اور کامیابی حاصل کریں، اور آخر میں آنحضرت صلعم کو رحمت عالم بنا کر بھیجا گیا، تاکہ وہ تمام عالم دنیا میں اپنی زندگی کا نمونہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ جائیں، آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے قرآن مجید نے یہ اعلان کیا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یونس)
تو واقعہ (قریشیو!) میں اس (دعوائے نبوت) سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر رہا ہوں، کیا تم نہیں سمجھتے،

اس آیت پاک میں درحقیقت وحی الٰہی نے خود اپنے پیغمبر کی سوانح عمری اور سیرت کو اس کی نبوت کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

بہرحال تاریخ کی دنیا میں ہزاروں لاکھوں اشخاص نمایاں ہیں، جنھوں نے آنے والوں کے لیے اپنی زندگیاں نمونہ کے طور پر پیش کی ہیں، ایک طرف شاہان عالم کے باشان و شکوہ دربار ہیں، ایک طرف سپہ سالاروں کے جنگی پرے ہیں، ایک طرف حکماء اور فلاسفروں کا تبین گروہ ہے، ایک طرف فاتحین عالم کی پرجلال صفیں ہیں، ایک طرف شعراء کی بزم رنگیں ہے، ایک طرف دولتمندوں اور خزانوں کے مالکوں کی نرم گدیاں اور کھنکھناتی تجوریاں ہیں، ان میں سے ہر ایک کی زندگی آدم کے بیٹوں کو اپنی اپنی طرف کھینچتی ہے، کارتھیج کا ہنیبال، مقدونیہ کا سکندر، روم کا سیزر، ایران کا دارا، یورپ کا نپولین، ہر ایک کی زندگی ایک

کشش رکھتی ہے، سقراط، افلاطون، ارسطو، دیوجانیس اور یونان کے دوسرے مشہور فلسفیوں سے لے کر اسپنسر تک تمام حکماء اور فلاسفروں کی زندگیوں میں ایک خاص رنگ نمایاں ہے، نمرود و فرعون، اور ابوجہل و ابولہب کی دوسری شخصیتیں ہیں، قارون کی ایک الگ زندگی ہے، غرض دنیا کے اسٹیج پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں، جو بنی آدم کی عملی زندگی کے لیے سامنے ہیں لیکن بتاؤ کہ ان مختلف اصنافِ انسانی میں سے کس کی زندگی نوعِ انسان کی سعادت، فلاح اور ہدایت کی ضامن اور کفیل اور اس لیے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

ان لوگوں میں بڑے بڑے فاتح اور سپہ سالار ہیں، جنہوں نے اپنی تلوار کی نوک سے دنیا کے طبقے الٹ دیے ہیں، لیکن کیا انسانیت کی فلاح و ہدایت کے لیے انہوں نے کوئی نمونہ چھوڑا، کیا ان کی تلوار کی کاٹ میدانِ جنگ سے آگے بڑھ کر انسانی اوہام و خیالاتِ فاسدہ کی بیڑیوں کو بھی کاٹ سکی؟ انسانوں کے باہمی برادرانہ تعلقات کی گتھی بھی سلجھا سکی؟ انسانی معاشرت کا کوئی خاکہ پیش کر سکی؟ ہماری روحانی مایوسیوں اور ناامیدیوں کا کوئی علاج بتا سکی؟ ہمارے دلوں کی ناپاکی اور زنگ کو مٹا سکی؟ ہمارے اخلاق اور اعمال کا کوئی نقشہ بنا سکی؟

دنیا میں بڑے بڑے شاعر بھی پیدا ہوئے ہیں، لیکن خیالی دنیا کے یہ شہنشاہ عملی دنیا میں بالکل بیکار ثابت ہوئے، اسی لیے افلاطون کے مشہور نظامِ حکومت میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی، ہومر سے لے کر آج تک فوری جوش و ہنگامہ کی پیدائش اور خیالی لذت و الم کی افزائش کے سوا نسلِ انسانی کو اس کی زندگی کے مشکلات دور کرنے کے لیے یہ لوگ کوئی صحیح مشورہ نہ دے سکے، کیونکہ اُن کی شیریں زبانیوں کے پیچھے ان کے حسنِ عمل کا کوئی خوشنما نمونہ نہ تھا، اسی لیے قرآنِ پاک نے کہا،

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ۔	اور شاعر ان کی پیروی بہکے ہوئے لوگ کرتے
اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ٥	ہیں، کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے
وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ۔	رہتے ہیں، اور وہ جو کہتے ہیں اس کو کرتے نہیں
اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے،

(شعراء، ع ۱۱)

قرآنِ پاک نے ان کی شیریں زبانی کے بے اثر ہونے کا فلسفہ بھی بتا دیا کہ وہ خیالات کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں، اور ایمان و عملِ صالح کے جوہر سے خالی ہوتے ہیں، لیکن اگر وہ اس دولت سے مالامال ہوں تو کچھ نہ کچھ ان کی باتوں میں ضرور اثر ہوگا، تاہم وہ اصلاح و ہدایت کے عظیم الشان فریضہ کو ادا نہیں کر سکتے، دنیا کی تاریخ خود اس واقعہ پر گواہ ہے۔

حکماء اور فلاسفر جنہوں نے بارہا اپنی عقلِ رسا سے نظامِ عالم کے نقشے بدل دیے ہیں، جنہوں نے عجائباتِ عالم کی طلسم کشائی کے حیرت انگیز نظریے پیش کیے ہیں، وہ بھی انسانیت کے نظامِ ہدایت کا کوئی عملی نقشہ پیش نہ کر سکے، اور نہ فرائضِ انسانی کی طلسم کشائی میں کوئی عملی امداد دے سکے، کہ ان کی دقیق نکتہ سنجیوں اور بلند خیالیوں کے پیچھے بھی حسنِ عمل کا کوئی نمونہ نہ تھا، ارسطو نے فلسفۂ اخلاق کی بنیاد ڈالی، ہر یونیورسٹی میں اس کے ایتھکس پر بہترین لکچر دیے جاتے ہیں، اور اخلاقی مسائل میں اس کی نکتہ آفرینیوں کی داد دی جاتی ہے، لیکن سچ بتاؤ اس کو پڑھ کر بانی کر نوعِ انسانی کے کتنے افراد راہِ راست پر آئے، آج دنیا کی ہر یونیورسٹی میں ایتھکس کے بڑے بڑے لائق پروفیسر اور اساتذہ موجود ہیں، مگر ان کے علمِ اخلاق کے فلسفیانہ رموز و اسرار کا دائرۂ اثر ان درسگاہوں کی چہار دیواریوں سے کبھی آگے بڑھ سکا؟ یا بڑھ سکتا ہے؟ اس لیے کہ جب ان کمروں سے نکل کر وہ باہر میدان میں آتے ہیں تو ان کی عملی زندگی عام افرادِ انسانی سے ایک انچ بھی بلند نہیں ہوتی، اور انسان کانوں سے نہیں آنکھوں سے بنتا ہے۔

دنیا کے اسٹیج پر بڑے بڑے بادشاہ اور حکمراں بھی رونما ہوئے ہیں جنہوں نے کبھی کبھی چار دانگِ عالم پر حکومت کی ہے، قوموں کی جان و مال پر قابض ہوئے ہیں، ایک ملک کو اجاڑا، اور دوسرے کو بسایا ہے، ایک قوم کو گھٹایا اور دوسری کو بڑھایا ہے، ایک سے چھینا اور دوسرے کو دیا ہے، مگر ان کا عام نقشہ وہی رہا، جس کو قرآنِ پاک نے ایک آیت میں ملکۂ سبا کی زبان سے ادا کیا ہے۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً	بے شک بادشاہ جب کسی آبادی میں داخل
اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ	ہوتے ہیں، تو اس کو بگاڑ دیتے ہیں، اور وہاں کے
اَهْلِهَآ اَذِلَّةً۔ (سبا۔ ع ۲)	معزز باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

ان کی تلواروں کی دھاک نے آبادیوں اور مجمعوں کے مجرموں کو روپوش کر دیا، لیکن تنہائیوں اور خلوت خانوں کے روپوش مجرموں کو وہ باز نہ رکھ سکی، انہوں نے بازاروں اور راستوں میں امن و امان قائم کیا، لیکن دلوں کی بستی میں وہ امن و امان قائم نہ کر سکے، انہوں نے ملک کا نظم و نسق درست کیا، لیکن روحوں کی مملکت کا نظم و نسق ان سے درست نہ ہو سکا، بلکہ ہر قسم کی روحانی بربادی انہی کے دربار سے نکل کر ہر جگہ پھیلتی رہی، کیا سکندر اور سیزر جیسے بڑے بڑے بادشاہ بھی ہمارے لیے کچھ چھوڑ گئے؟

بڑے بڑے مقنن سولن سے لے کر اس وقت تک پیدا ہوئے ہیں، لیکن ان کے قانون کی عمر نے بقا کی دولت نہ پائی، اور اس کے ماننے والوں کو دل کی صفائی کا راز نہ ملا، دوسرے دور کے حاکموں اور عدالتوں نے خود اس کو حرفِ غلط سمجھ کر مٹا دیا، اور اپنی مرضی اور اپنی مصلحتوں کے مطابق، نہ کہ انسانوں کی اصلاح کی خاطر اس کی جگہ دوسرا قانون بنا لیا، اور آج بھی یہی حالت قائم ہے، آج اس مہذب دور

حکومت میں بھی یہی صورت قائم ہے کہ آئین ساز مجلسیں بنائی گئی ہیں اجرا پنے ہر اجلاس میں آج جو بناتی ہیں کل اس کو مٹاتی ہیں، اور یہ سب کچھ انسانوں کی خاطر نہیں، بلکہ حکومتوں کی خاطر ہوتا رہتا ہے۔

عزیز دوستو! تم نے صنفِ انسانی کے بلند پایہ طبقوں میں سے جن سے انسانوں کی بھلائی اور سدھار کی توقعات ہوسکتی ہیں، ہر ایک کا جائزہ لے لیا غور سے دیکھو! اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی نیکی کی روشنی، اور اچھائی کا نور ہے، جہاں کہیں بھی خلوص اور دل کی صفائی کا اجالا ہے، کیا وہ صرف انہی بزرگوں کی تعلیم اور ہدایت کا نتیجہ نہیں ہے، جن کو تم انبیائے کرامؑ کے نام سے جانتے ہو؟ پہاڑوں کے غار، جنگلوں کے جھنڈ، شہروں کی آبادیاں، غرض جہاں بھی رحم، انصاف، غریبوں کی مدد، یتیموں کی پرورش، اور نیکیوں کا سراغ ملتا ہے وہ اسی برگزیدہ جماعت کے کسی نہ کسی فرد کی دعوت اور پکار کا دائمی اثر ہے، قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق:

إِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝ (فاطر) کوئی قوم نہیں، جس میں (کوئی انسانوں کا) ہشیار کرنے والا نہ گزرا۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ (رعد) اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے،

آج ہر قوم اور ہر ملک میں انہی کی برکتوں کا اُجالا نظر آتا ہے، اور ہر طرف انہی کی پکاروں کی آوازِ بازگشت سنائی دیتی ہے، افریقہ کے وحشی ہوں، یا یورپ کے مہذب، سب کے دلوں کی صفائی انہیں کے سرچشموں سے ہوتی ہے اور ہو رہی ہے، اوپر جتنے بلند پایہ اور عالی رتبہ انسانی طبقوں کے نام آئے ہیں، ان میں سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ وہ طبقہ ہے جو بادشاہوں کی طرح جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکومت کرتا ہے، اس کی حکمرانی کی زمین، دنیا کی مملکت نہیں، بلکہ دلوں کی مملکت ہے، جو گو سپہ سالاروں کی طرح تیغ بکف نہیں، تاہم وہ گناہوں کے پرے، اور آلودگیوں کی صفیں دم کے دم میں الٹ دیتا ہے، وہ گو خیالی شاعر نہیں، لیکن اس کی شیریں بیانیوں کے ذائقہ سے اب تک انسانوں کے کام و دہن لطف اٹھا رہے ہیں، وہ گو ظاہری طور پر قانون ساز اور مجلسوں کے سینٹر نہ تھے، لیکن صدہا اور ہزارہا سال گزر جانے کے بعد بھی ان کا قانون اسی طرح زندہ ہے، جو خود حاکموں اور عدالتوں پر حکمراں ہے اور بلا تفریق شاہ و گدا، اور بادشاہ و رعایا سب پر یکساں جاری ہے۔

یہاں مذہب اور اعتقاد کا سوال نہیں، بلکہ عملی تاریخ کا سوال ہے، کہ آیا یہ واقعہ ہے یا نہیں؟ پاٹلی پتر کے راجہ اشوکا کے احکام صرف پتھر کی لاٹوں پر کندہ ہیں، مگر بودھ کا حکم دلوں کی تختیوں پر منقوش ہے، اجین، ہستنا پور (دہلی)، اور قنوج کے راجاؤں کے احکام مٹ چکے ہیں، لیکن منوجی کا دھرم شاستر اب تک نافذ اور جاری ہے، بابل کے سب سے پہلے قانون ساز بادشاہ حمورابی کے قانونی دفعات مدت ہوئی کہ مٹی کے ڈھیر میں دفن ہو گئے، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم آج بھی موجود ہے، فرعون کی ندائے أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کے دن قائم رہی؟ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعجاز کا آج بھی زمانہ معترف ہے، سولن کے بنائے ہوئے قانون کے دن چل سکے؟ مگر توراۃ کا آسمانی قانون آج بھی انسانوں میں عدل کی ترازو ہے، وہ رومن لا جس نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو عدالت میں گنہگار ٹھہرایا تھا، صدیاں گزریں کہ معدوم ہو چکا، مگر حضرت عیسیٰ کی تعلیم و ہدایت آج بھی گنہگاروں کو نیک اور مجرموں کو پاک بنانے میں اسی طرح مصروف ہے، مکہ کے ابو جہل، ایران کے کسریٰ، اور روم کے قیصر کی حکومتیں مٹ گئیں، مگر شہنشاہِ مدینہ کی فرمانروائی بدستور قائم اور مسلّم ہے۔

دوستو! میرے گذشتہ بیانات نے اگر تمہارے دلوں میں تشفی کا کوئی اثر پیدا کیا ہے، تو صرف اپنے عقیدہ سے نہیں، بلکہ عقلی استدلال، اور دنیا کی عملی تاریخ سے تمہارے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو گیا ہوگا کہ بنی نوع انسان کی حقیقی بھلائی، اعمال کی نیکی، اخلاق کی بہتری، دلوں کی صفائی، اور انسانی قویٰ میں اعتدال اور میانہ روی پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں اگر کسی طبقۂ انسانی نے انجام دی ہیں تو وہ صرف انبیائے کرام کا طبقہ ہے، جو خدا کے فرستادہ ہو کر اس دنیا میں آئے، اور دنیا کو نیک تعلیم اور ہدایت دے کر اپنے بعد بھی لوگوں کے لیے چلنے کا ایک راستہ بنا کر چھوڑ گئے، جن کی تعلیم و عمل کے سرچشمہ سے بادشاہ و رعایا، امیر و غریب، جاہل و عالم سب برابر کا فیض پا رہے ہیں۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا	اور ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم پر (اپنی حجت پیش کرنے
إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن	کے لیے، یہ دلیل عنایت کی، ہم جس کو چاہتے ہیں
نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝	درجہ بلند کر دیتے ہیں، بیشک تیرا پروردگار
وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ	حکمت والا اور علم والا ہے، اور ہم نے (ان ابراہیمؑ
كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ	کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے، ہر ایک کو (ان میں
وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ	سے) ہدایت بخشی، اور ہم نے (ابراہیم سے) پہلے نوح
وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ	کو ہدایت دی، اور اس (ابراہیم) کی نسل سے داؤد،
وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا	اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون
وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ	کو ہدایت دی اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ
مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَإِسْمَاعِيلَ وَ	دیتے ہیں، اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو ہدایت
الْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا	دی) ہر ایک (ان میں کا) صالح لوگوں میں تھا، اور
فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَمِنْ	اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو ہدایت دی اور
آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۖ	ان میں سے ہر ایک کو دنیا میں اس کے زمانہ کے لوگوں
وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ	پر فضیلت بخشی، اور ان کے بزرگوں اور انکی اولادوں اور
مُّسْتَقِيمٍ ۝ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي	ان کے بھائیوں میں سے، اور ان کو چنا، اور ان کو سیدھے
بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَلَوْ	راستہ کی طرف ہدایت کی، یہی خدا کی ہدایت ہے اپنے

اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا	بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے،
يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	اگر وہ شرک کرتے تو ان کے سارے کام برباد جاتے، یہی وہ
اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ	لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب، قوتِ فیصلہ اور پیغمبری عطا کی
وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا	کی، تو اگر یہ لوگ (جو ان کے نام لیوا آج موجود ہیں) ان
هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا	نعمتوں کی ناشکری کریں تو ہم نے ان نعمتوں کو ایسے لوگوں
سُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ	(یعنی مسلمانوں) کے سپرد کر دیا جو ان کی ناقدری نہیں کرتے
الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ	ہیں، یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو تو بھی انہی کی
اقْتَدِهْ ۝ (الانعام ۱۰)	ہدایت کی پیروی کر۔

ان پاک آیتوں میں انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اصنافِ انسانی میں سے ایک خاص طبقہ کے بیشتر افراد کے نام بتائے گئے ہیں، جن کی پیروی اور تقلید ہماری روحانی بیماریوں کا علاج اور اخلاقی کمزوریوں کا درماں ہے، یہی وہ مقدس گروہ ہے جو خدا کی بسائی تمام آبادیوں میں پھیلا، اور مختلف زمانوں میں اپنی تعلیم و ہدایت کا چراغ روشن کرتا رہا، آج انسان کے سرمایہ میں فلاح، سعادت، اخلاق، نیک اعمال اور بہترین زندگیوں کے جو کچھ اثرات و نتائج ہیں، وہ سب انہی بزرگوں کے فیوض و برکات ہیں، وہ جگہ جگہ اپنے نقشِ قدم چھوڑ گئے، اور دنیا کم و بیش انہی پر چل کر اپنی کوششوں کی کامیابی کو ڈھونڈھ رہی ہے۔

نوحؑ کا جوشِ تبلیغ، ابراہیمؑ کا ولولۂ توحید، اسحاقؑ کی وراثتِ پدری، اسمٰعیلؑ کا ایثار، موسیٰؑ کی سعی و کوشش، ہارونؑ کی رفاقتِ حق، یعقوبؑ کی تسلیم، داؤدؑ کا غربتِ حق پر ماتم، سلیمانؑ کا سرود حکمت، زکریاؑ کی عبادت، یحییٰؑ کی عفت، عیسیٰؑ کا زہد، یونسؑ کا اعترافِ قصور، لوطؑ کی جانفشانی، ایوبؑ کا صبر، یہی وہ حقیقی نقش و نگار ہیں جن سے ہماری روحانی اور اخلاقی دنیا کا ایوان آراستہ ہے، اور جہاں کہیں ان صفاتِ عالیہ کا وجود ہے، وہ انہی بزرگوں کی مثالوں اور نمونوں کا عکس ہے۔

انسانوں کی عمدہ معاشرت، صحیح تمدن، اور اعلیٰ مسرت کی تکمیل اور کائنات کے اندر اس کو اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل کرانے میں یقیناً تمام کارکن طبقاتِ انسانی کا حصہ ہے، ہیئت دانوں نے ستاروں کی چالیں بتائیں، حکماء نے چیزوں کے خواص ظاہر کیے، طبیبوں نے بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے، مہندسوں نے عمارتوں کا فن نکالا، صناعوں نے ہنر اور فن پیدا کیے، ان سب کی کوششوں سے مل کر یہ دنیا تکمیل کو پہنچی، اس لیے ہم ان سب کے شکر گزار ہیں، مگر سب سے زیادہ ممنون ہم ان بزرگوں کے ہیں جنہوں نے ہماری اندرونی دنیا کو آباد کیا، جنہوں نے ہماری حرص و ہویٰ کی اندرونی چالیں درست کیں، ہماری روحانی بیماریوں کے نسخے ترتیب دیے، ہمارے جذبات، ہمارے احساسات اور ہمارے ارادوں کے نقشے درست کیے، ہمارے نفوس و قلوب کے عروج و تنزل کا فن ترتیب دیا، جس سے دنیا کے صحیح تمدن اور صحیح معاشرت کی تکمیل ہوئی، اخلاق و سیرتِ انسانیت کا جوہر قرار پایا، نیکی اور بھلائی ایوانِ عمل کے نقش و نگار ٹھہرے، خدا و بندہ کا رشتہ باہم مضبوط ہوا، اور روزِ الست کا بھولا ہوا وعدہ ہم کو یاد آیا، اگر ہم انسانی سرشت کے ان رموز و اسرار اور نیکی و سعادت کے ان پیغمبرانہ تعلیمات سے ناواقف ہوتے تو کیا یہ دنیا کبھی تکمیل کو پہنچ سکتی، اس لیے اس برگزیدہ اور پاک طبقۂ انسانی کے احسانات ہم انسانوں پر سب سے زیادہ ہیں، اور اس لیے ہر فردِ انسانی پر خواہ وہ کسی صنف سے تعلق رکھتا ہو، ان کی شکر گزاری کا اظہار واجب ہے، اسی کا نام اسلام کی زبان میں صلوٰۃ و سلام ہے، جو ہمیشہ انبیائے کرام کے نامِ نامی کے ساتھ ساتھ ہم ادا کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ وَسَلِّمْ۔

حضرات یہ نفوسِ قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر گئے، اس عالمِ فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں، ان کی زندگیاں خواہ کتنی ہی مقدس اور معصوم ہوں تاہم وہ دوام و بقا کی دولت سے سرفراز نہ تھیں، اس لیے آئندہ آنے والے انسانوں کے لیے جو چیز رہبر ہو سکتی ہے، وہ ان کی زندگیوں کی تحریری اور روایتی عکس اور تصویریں ہیں، ہمارے پاس اس کے سوا اس سرمایۂ سعادت کی حفاظت کا کوئی اور طریقہ نہیں، دنیا میں پچھلے عہد کے علوم، فنون، خیالات، تحقیقات، واقعات اور حالات کے جاننے کا اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں، انسانی زندگیوں کے انہی تحریری اور روایتی عکسوں اور تصویروں کا نام تاریخ اور سیرت ہے، ہماری زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں ممکن ہے کہ ہر سانحۂ زندگی میں کوئی نہ کوئی عبرت و بصیرت ہو، لیکن ہماری اخلاقی اور روحانی زندگی کی تکمیل و تزکیہ کے لیے صرف انبیائے کرامؑ اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والی ہستیوں کی تاریخیں اور سیرتیں ہی کارآمد اور مفید ہو سکتی ہیں، اب تک دنیا نے انہی سے فیض پایا ہے، اور آئندہ بھی انہی سے فیض پا سکتی ہے، اس لیے دنیا کا اپنے تزکیہ اور تکمیلِ روحانی کے لیے ان برگزیدہ ہستیوں کی سیرتوں کی حفاظت سب سے بڑا اہم فرض ہے۔

بہتر سے بہتر فلسفہ، عمدہ سے عمدہ تعلیم، اچھی سے اچھی ہدایت زندگی نہیں پا سکتی اور کامیاب نہیں ہو سکتی، اگر اس کے پیچھے کوئی ایسی شخصیت اس کی حامل اور عامل ہو کر قائم نہیں ہے، جو ہماری توجہ، محبت اور عظمت کا مرکز ہو، جس جہاز کرور کو دیا نامی سے ہم اوائل فروری ۱۹۲۴ء میں حجاز و مصر سے واپس آ رہے تھے، اتفاق سے مشہور شاعر ڈاکٹر ٹیگور بھی اسی پر امریکہ کے سفر سے واپس ہو رہے تھے، ایک رفیقِ سفر نے ان سے سوال کیا کہ برہمو سماج کی ناکامی کا سبب کیا ہے؟ حالانکہ اس کے اصول بہت منصفانہ صلحِ کل کے تھے، اس کی تعلیم تھی کہ سارے مذہب سچے اور کل مذہبوں کے بانی اچھے اور نیک لوگ تھے، اس میں عقل اور منطق کے خلاف کوئی چیز نہ تھی، وہ موجودہ تمدن، موجودہ فلسفہ اور موجودہ حالات کو دیکھ کر بنایا گیا تھا، تاہم اس نے کامیابی حاصل نہ کی، فلسفی شاعر نے جواب میں کتنا اچھا نکتہ بیان کیا کہ

اس لیے ناکامیاب ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی شخصی زندگی، اور عملی سیرت نہ تھی، جو ہماری توجہ کا مرکز بنتی، اور ہماری نیکوکاری کا نمونہ بنتی، اس نکتہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اپنے نبی کی سیرت اور عملی زندگی کے بغیر ناکام ہے۔

غرض ہم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی کے لیے معصوم انسانوں، بے گناہ ہستیوں اور ہر حیثیت سے باکمال بزرگوں کی ضرورت ہے، اور وہ صرف انبیائے کرام ہیں۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

(۲)

عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل

صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہے

دوستو! آج ہماری بزم کا دوسرا دن ہے، اس سے پہلے جو کچھ عرض ہو چکا ہے، وہ پیشِ نظر رہے، تو سلسلۂ سخن آگے بڑھے۔ میری پچھلی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ انسان کے حال و مستقبل کی تاریکی کو چاک کرنے کے لیے ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضرور ہے، جن مختلف انسانی طبقوں نے ہم پر احسان کیے ہیں، وہ سب شکریہ کے مستحق ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ ہم پر جن بزرگوں کا احسان ہے، وہ انبیائے کرام علیہم السّلام ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اس زمانہ کے مناسبِ حال اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا، کسی نے صبر، کسی نے ایثار، کسی نے قربانی، کسی نے جوشِ توحید کسی نے ولولۂ حق، کسی نے تسلیم، کسی نے عفت، کسی نے زہد، غرض ہر ایک نے دنیا میں انسان کی پر پیچ زندگی کے راستہ میں ایک ایک منار قائم کر دیا ہے، جس سے صراطِ مستقیم کا پتہ لگ سکے، مگر ضرورت تھی ایک ایسے رہنما اور رہبر کی جو اس سرے سے لے کر اس سرے تک پوری راہ کو اپنے ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن کر دے، گویا ہمارے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کا پورا گائڈ بک دیدے، جس کو لے کر اسی کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزلِ مقصود کا پتہ پا لے، یہ راہنما سلسلۂ انبیاءؑ کے آخری فرد محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، قرآن نے کہا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا، اور
شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ	نیکوں کو خوشخبری سنانے والا اور غافلوں
وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا	کو ہشیار کرنے والا، اور خدا کی طرف اس کے
مُّنِيْرًا ۔ (احزاب۔ ع ۶)	حکم سے پکارنے والا، اور ایک روشن کرنے والا
	چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

آپ عالم میں خدا کی تعلیم و ہدایت کے شاہد ہیں، نیکوکاروں کو فلاح و سعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں، ان کو جو ابھی تک بے خبر ہیں، ہشیار اور بیدار کرنے والے نذیر ہیں، بھٹکنے والے مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والے داعی ہیں، اور خود ہمہ تن نور اور چراغ ہیں، یعنی آپ کی ذات اور آپ کی زندگی راستہ کی روشنی ہے، جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے، یوں تو ہر پیغمبر خدا کا شاہد، داعی، مبشر اور نذیر وغیرہ بن کر اس دنیا میں آیا ہے، مگر یہ کل صفتیں سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں، بہت سے انبیاءؑ تھے جو خصوصیت کے ساتھ شاہد ہوئے، جیسے حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت اسماعیلؑ وغیرہ۔ بہت سے تھے جو نمایاں طور پر مبشر بنے، جیسے حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ، بہت سے تھے جن کا خاص وصف نذیر تھا، جیسے حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ، بہت سے تھے جو امتیازی حیثیت سے داعی حق تھے، جیسے حضرت یوسفؑ، حضرت یونسؑ، لیکن وہ جو شاہد، مبشر، نذیر، داعی، سراج منیر، سب کچھ بیک وقت تھا، اور جس کے مرقعِ حیات میں یہ سارے نقش و نگار عملاً نمایاں تھے، وہ صرف محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰت والتحیات تھے، اور یہ اس لیے ہوا کہ آپ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے جس کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہ تھا، آپ ایسی شریعت لے کر بھیجے گئے جو کامل تھی، جس کی تکمیل کے لیے پھر کسی دوسرے کو آنا نہ تھا۔

آپ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی، یعنی قیامت تک اس کو زندہ رہنا تھا، اس لیے آپ کی ذاتِ پاک کو مجموعۂ کمال، اور دولتِ بے زوال بنا کر بھیجا گیا۔

دوستو! یہ جو کچھ میں نے کہا، یہ میرے مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر محض کوئی دعویٰ نہیں ہے، بلکہ یہ وہ واقعہ ہے، جس کی بنیاد دلائل اور شہادتوں پر قائم ہے۔

وہ سیرت یا نمونۂ حیات جو انسانوں کے لیے ایک آئیڈیل سیرت کا کام دے، اس کے لیے متعدد شرطوں کی ضرورت ہے، جن میں سب سے پہلی اور اہم شرط تاریخیت ہے۔

تاریخیت تاریخیت سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو سوانح اور حالات پیش کیے جائیں وہ تاریخ اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں، ان کی حیثیت قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو، روزمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کی ایک سائیکالوجی یہ ہے کہ کسی سلسلۂ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی ہے، یا مشتبہ ہے، تو خواہ وہ کسی قدر مؤثر انداز میں کیوں نہ پیش کیا جائے، طبیعتیں اس سے دیرپا اور گہرا اثر نہیں لیتیں، اس لیے ایک کامل سیرت کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کے تمام اہم اجزا کی تاریخیت پر یقین ہو، یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جو اثر طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے، وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے، کہ آپ اس سیرت کاملہ کا نقشہ محض دلچسپی یا فرصت کے گھنٹوں کی مشغولی کے لیے نہیں پیش کرتے، بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں، کہ ہم اپنی زندگی اس نمونہ پر ڈھالیں، اور اس کی پیروی و تقلید کریں، لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں، تو آپ کیونکر اس کے

قابلِ عمل اور پیروی و تقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکتے ہیں، کہا جا سکتا ہے، کہ فرضی اور میتھالوجیکل قصے ہیں، جن پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں ڈال سکتا، اس لیے کیا پُر اثر ہونے کے لیے اور کیا قابلِ عمل اور لائقِ تقلید ہونے کے لیے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ اس کامل انسان کی سیرت، تاریخی اسناد کے معیار پر پوری اترے۔

ہم تمام انبیائے کرام علیہم السّلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں، لیکن بفحوائے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ "یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے" دوام، بقاء، ختم نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلعم کو جو خاص شرف عطا ہوا ہے، وہ دیگر انبیاءؑ کو اس لیے نہیں مرحمت ہوا، کہ ان کو دائمی، آخری اور خاتمِ نبوت نہیں بنایا گیا تھا، ان کی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا، اس لیے اس زمانہ کے بعد بتدریج وہ دنیا سے مفقود ہو گئیں۔

غور کرو کہ ہر ملک میں، ہر قوم میں، ہر زمانہ میں، ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان خدا کا پیغام لے کر آئے ہوں گے، ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبر آئے، مگر آج ان میں سے کتنوں کے نام ہم جانتے ہیں، اور جتنوں کے نام جانتے بھی ہیں، ان کا حال کیا جانتے ہیں؟ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ قدیم اور پرانے ہونے کا دعوی ہندؤں کو ہے، گو وہ مسلم نہیں، لیکن بغور دیکھو کہ اُن کے مذہب میں سینکڑوں کیرکٹروں کے نام ہیں، مگر ان میں سے کسی کو "تاریخی" ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے۔ ان میں سے بہتیرے کے تو نام کے سوا کسی اور چیز کا ذکر تک نہیں، اور میتھالوجی سے آگے بڑھ کر تاریخ کے میدان میں ان کا گزر بھی نہیں، ان میں بہتر سے بہتر معلوم کیریکٹر وہ ہیں جو مہا بھارت اور رامائن کے ہیرو ہیں، مگر ان کی زندگی کے واقعات میں سے تاریخ کس کو کہہ سکتے ہیں، یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ زمانہ کے کس دور، اور دور کی کس صدی، اور صدی کے کس سال کے واقعے ہیں، اب یورپ کے بعض علماء بیسیوں قیاسات سے کچھ کچھ تقریبی یا تخمینی زمانوں کی تعیین کرتے ہیں، اور انہی کو ہمارے ہند و تعلیم یافتہ اصحاب اپنے علم کی سند جانتے ہیں، لیکن یورپ کے محققین میں سے زیادہ تر نو ان کو تاریخ کا درجہ ہی نہیں دیتے، اور یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ فرضی داستانیں کبھی عالمِ وجود میں بھی آئی تھیں۔

ایران کے پرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت اب بھی لاکھوں آدمیوں کی عقیدت کا مرکز ہے، مگر اس کی تاریخی شخصیت بھی قدامت کے پردہ میں گم ہے، یہاں تک کہ اس کے تاریخی وجود کے متعلق بھی بعض شکّی مزاج امریکی اور یورو پین علماء کو شبہہ ہے، مستشرقین میں سے جو لوگ اس کے تاریخی وجود کو تسلیم کرتے ہیں، سیکڑوں قیاسات سے اس کے حالاتِ زندگی کی کچھ کچھ تعیین کرتے ہیں۔ تاہم وہ بھی مختلف محققین کی باہمی متضاد رایوں سے اس قدر مشکوک ہیں کہ کوئی انسان اُن کے بھروسہ پر اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں قائم کر سکتا، زرتشت کی جائے پیدائش، سالِ پیدائش، قومیت، خاندان، مذہب، تبلیغِ مذہب، مذہبی صحیفہ کی اصلیت، زبان، سالِ وفات، جائے وفات، ان میں سے ہر ایک مسئلہ سیکڑوں اختلافات کا مرجع ہے، اور صحیح روایتوں کا اس قدر فقدان ہے کہ بجز تخمینی قیاسات کے اور کوئی روشنی، ان سوالات کی تاریکیوں کو دور نہیں کر سکتی، بااین ہمہ پارسی اصحاب ان مشکوک قیاسی باتوں کا علم براہِ راست اپنی روایتوں سے نہیں رکھتے بلکہ یوروپین اور امریکن اسکالرس کی تلقینات سے وہ ایسی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور جو ان کے ذاتی ذرائع علم ہیں، وہ فردوسی کے شاہنامہ سے آگے نہیں بڑھتے، یہ عذر بے کار ہے، کہ یونانی دشمنوں نے ان کو مٹا دیا، یہاں بہر حال ہم کو صرف اتنا بتانا ہے، کہ وہ مٹ گئے خواہ وہ کسی طرح سے مٹے ہوں، اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو دوام اور بقا کی زندگی نہ ملی، اور کرن (Kern) اور ڈارمیٹیٹر (Darmesteter) جیسے محققین کو زرتشت کی شخصیتِ تاریخی سے انکار کرنا پڑا۔

قدیم ایشیا کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بودھ ہے جو کبھی ہندوستان، چین اور تمام ایشائے وسطی، افغانستان، ترکستان تک پھیلا ہوا تھا۔ اور اب بھی برما، سیام، چین، جاپان اور تبت میں موجود ہے، ہندوستان میں تو یہ کتنا آسان ہے کہ برہمنوں نے اس کو مٹا دیا اور ایشیائے وسطی میں اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا، مگر تمام ایشیائے اقصیٰ میں تو اس کی حکومت، اس کی تہذیب، اس کا مذہب تلوار کی قوت کے ساتھ ساتھ قائم ہے، اور اُس وقت سے اب تک غیر مفتوح ہے، لیکن کیا یہ چیزیں بودھ کی زندگی اور سیرت کو تاریخی روشنی میں برقرار رکھ سکیں؟ اور ایک مورخ اور سوانح نگار کے تمام سوالات کا وہ تشفی بخش جواب دے سکتی ہیں؟ خود بدھ کے زمانۂ وجود کی تعیین مگدھ دیس کے راجاؤں کے واقعات سے کی جاتی ہے، ورنہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے، اور ان راجاؤں کا زمانہ بھی اس طرح متعین ہو سکا ہے کہ ان کے سفارتی تعلقات اتفاقاً یونانیوں سے قائم ہو گئے تھے، چینی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے، اور چین کے ایک بانی مذہب کنفیوشس کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے، حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ ہے۔

سامی قوم میں سیکڑوں پیغمبر آئے، لیکن نام کے سوا تاریخ نے ان کا اور کچھ حال نہ جانا، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصے کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزاء تاریخ کی کڑیوں سے بہر حال گم ہیں، اب ان کی منقول زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصے کیا ایک کامل انسانی زندگی کی تقلید اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں؟ قرآن مجید کو چھوڑ کر یہودیوں کے جن اسفار میں ان کے حالات درج

ہیں ان میں سے ہر ایک کی نسبت محققین کو مختلف شکوک ہیں، اور اگر ان شکوک سے ہم قطع نظر بھی کرلیں تو ان کے اندر ان بزرگوں کی تصویریں کس درجہ ادھوری ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا حال ہم کو تورات سے معلوم ہوتا ہے، مگر موجودہ تورات جو آج موجود ہے، اہلِ تحقیق کے بیان کے مطابق جیسا کہ خود مصنفینِ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا تسلیم کرتے ہیں، حضرت موسیٰؑ کے صدہا سال کے بعد عالمِ وجود میں آئی ہے، اس پر بھی اب جرمن اسکالرس نے پتہ لگایا ہے کہ موجودہ تورات میں پہلو بہ پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف صورتوں یا روایتوں کا سلسلہ ہے جو باہم کہیں کہیں متضاد ہیں، اور یہی سبب ہے کہ تورات کے سوانح و واقعات میں ہر قدم پر ہم کو تضادِ بیان سے سابقہ پڑتا ہے، اس تھیوری کی تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے اخیر اڈیشن کے آرٹیکل "بائبل" میں موجود ہے، اب ایسی صورت میں حضرت موسیٰؑ بلکہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت موسیٰ تک کے واقعات کی تاریخی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے حالات انجیلوں میں درج ہیں، مگر ان بہت سی انجیلوں میں سے آج عیسائی دنیا کا بڑا حصہ صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے، باقی انجیل طفولیت انجیل برنا باس وغیرہ نا مستند ہیں، ان چار انجیلوں میں سے ایک انجیل کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰؑ کو خود نہیں دیکھا تھا، انہوں نے کس سے سن کر یہ حالات کا مجموعہ لکھا، یہ بھی معلوم نہیں، بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جاتا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے، وہ نسبت صحیح بھی ہے یا نہیں، یہ بھی واضح طور سے ثابت نہیں کہ وہ کون زبانوں میں اور کن زمانوں میں لکھی گئیں، سنہ ۶۰ء سے لے کر بعد کے متعدد مختلف سالوں تک مختلف مفسرین اناجیل، ان کی تصنیف کا زمانہ بتاتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، وفات اور تثلیث کی تعلیم ان سب کو سامنے رکھ کر اب بعض امریکن نقاد اور ریشنلسٹ یہ کہنے لگے ہیں، کہ حضرت عیسیٰؑ کا وجود محض فرضی ہے، اور ان کی پیدائش اور تثلیث کا بیان یونانی و رومی متھالوجی کی محض نقالی ہے، کیونکہ اس قسم کے خیالات ان قوموں میں مختلف دیوتاؤں اور ہیروؤں کے متعلق پہلے سے موجود تھے، چنانچہ شکاگو کے مشہور رسالہ اوپن کورٹ میں مہینوں حضرت عیسیٰؑ کے فرضی وجود ہونے پر بحث رہی ہے، اس بیان سے عیسائی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کی تاریخی حیثیت کتنی کمزور معلوم ہوتی ہے۔

کاملیت کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل بننے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے صحیفۂ حیات کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں، کوئی واقعہ پردۂ راز، اور نا واقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو، بلکہ اس کے تمام سوانح اور حالات روزِ روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں، تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لیے ایک آئیڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس معیار پر اگر شارعینِ ادیان اور بانیانِ مذاہب کے سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالو، تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلعم کے سوا اور کوئی ہستی اس معیار پر پوری نہیں اترتی، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے، ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں انبیاء علیہم السّلام اور مصلحین دین کے زمرہ میں سے صرف تین چار ہی ہستیاں ایسی ہیں جو تاریخی کہی جاسکتی ہیں، لیکن کاملیت کی حیثیت سے وہ بھی پوری نہیں ہیں، غور کرو کہ مردم شماری کے لحاظ سے آج بودھ کے پیرو دنیا کی آبادی کے چوتھائی حصہ پر قابض ہیں، مگر بااین ہمہ تاریخی حیثیت سے بدھ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے، لیکن اگر ہم انہی قصوں اور کہانیوں کو تاریخ کا درجہ دے کر بودھ کی زندگی کے ضروری سے ضروری اور اہم سے اہم اجزاء تلاش کریں تو ہم کو ناکامی ہوگی، ان قصوں اور کہانیوں سے ہم کو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں نیپال کی ترائی کے کسی ملک میں ایک راجہ کا لڑکا تھا، جس نے فطرۃً سوچنے والی طبیعت پائی تھی، جوان ہوتے اور ایک بچہ کا باپ بننے کے بعد تھا کہ اس کی نظر چند مصیبت زدہ انسانوں پر پڑی، اس کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی، اور وہ گھر بار چھوڑ کر دیس سے نکل گیا، اور بنارس، گیا، پاٹلی پتر (پٹنہ) اور راجگیر (بہار) کے کبھی شہروں میں اور کبھی جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا، اور خدا جانے عمر کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اس نے گیا کے ایک درخت کے نیچے انکشافِ حقیقت کا دعویٰ کیا، اور بنارس سے بہار تک اپنے نئے مذہب کا وعظ کہتا رہا، پھر اس دنیا سے رخصت ہوگیا، یہ خلاصہ ہے بودھ کے متعلق ہمارے معلومات کا؟

زرتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے، مگر ہم بتا چکے ہیں کہ قیاسات کے سوا اس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا، ان قیاسات سے بھی جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کو ہم بجائے اپنی زبان سے کہنے کے بیسویں صدی کے مستند خلاصۂ معلومات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے آرٹیکل زراسٹر سے یہاں نقل کرتے ہیں:

"زرتشت کی جس شخصیت سے (گاتھا کے) ان اشعار میں ہماری ملاقات ہوتی ہے وہ نئے اوستا کے زرتشت سے بالکل مختلف ہے، وہ ٹھیک متضاد ہے اس دوسرے افسانوی معجزانہ شخصیت سے (اس کے بعد گاتھا کے کچھ واقعی حالات نقل کر کے مضمون نگار لکھتا ہے) تاہم ہم یہ توقع نہ کریں کہ ہم گاتھا سے زرتشت کے فیصلہ کن حالات جان سکتے ہیں، وہ ہم کو زرتشت کی لائف کا کوئی تاریخی بیان نہیں دیتی، اور جو کچھ ملتا بھی ہے اس کے معنی یا تو صاف نہیں ہیں یا غیر معلوم ہیں"،

زرتشت کے متعلق موجودہ زمانہ کی تصنیفات کا باب شروع کرتے ہوئے یہ مضمون نگار لکھتا ہے۔

"اس کی جائے پیدائش کی تعیین کے متعلق شہادتیں متضاد ہیں"

سنہ گیارہواں ایڈیشن۔

اس کے زمانہ کے تعین کے متعلق بھی یونانی مورخین کے بیانات، نیز موجودہ محققین کے قیاسات مختلف ہیں، مضمون نگار لکھتا ہے:

"زرتشت کے زمانہ سے ہم قطعاً ناواقف ہیں۔"

بہرحال جو کچھ ہم کو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ آذربائیجان کے کسی مقام میں پیدا ہوا، بلخ وغیرہ کی طرف تبلیغ کی، ہشتاسپ بادشاہ نے اس کے مذہب کو اختیار کیا، کچھ اس نے غیر معمولی معجزے دکھائے، اس نے شادی بیاہ کیا، اولادیں ہوئیں، اور پھر کہیں مرگیا، کیا ایسی نامعلوم ہستی کے نقش کوئی کاملیت کا گمان بھی کرسکتا ہے اور اس کی زندگی انسانی سوسائٹی کے لیے چراغ راہ بن سکتی ہے، یا بنائی جاسکتی ہے؟

انبیائے سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے، موجودہ تورات کے مستند یا غیر مستند ہونے کی بحث سے قطع نظر کر کے ہم اس کے بیانات کو بالکل صحیح تسلیم کیے لیتے ہیں، تاہم تورات کی پانچوں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰ کی زندگی کے کس قدر اجزاء ہاتھ آتے ہیں؟ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ پیدا ہو کر فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں، جوان ہو کر فرعونیوں کے مظالم کے خلاف بنی اسرائیل کی ایک دو موقعوں پر مدد کرتے ہیں پھر مصر سے بھاگ کر مدین آتے ہیں، یہاں شادی ہوتی ہے، اور معتد بہ زمانہ تک یہاں زندگی بسر کر کے مصر واپس جاتے ہیں، راہ میں نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں، فرعون کے پاس پہنچتے ہیں، معجزات دکھاتے ہیں، اور بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کی رخصت چاہتے ہیں، رخصت نہیں ملتی، بالآخر غفلت میں مع اپنی قوم کے نکل جاتے ہیں، خدا کے حکم سے سمندر میں ان کو راہ مل جاتی ہے، فرعون غرق ہوجاتا ہے اور وہ اپنی قوم کو لے کر عرب اور شام میں داخل ہوتے ہیں، کافر باشندوں سے لڑائیاں پیش آتی ہیں، اسی حالت میں جب وہ بہت بوڑھے ہوجاتے ہیں تو ایک پہاڑی پر ان کی وفات ہوجاتی ہے،

تورات استثنا کے اختتامی فقرے میں ہے:

"سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق مواب کی سرزمین میں مرگیا، اور اس نے اسے مواب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا، پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا، اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا، اور اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں ہوا۔"

۱- یہ تورات کی پانچویں کتاب کے فقرے ہیں جس کی تصنیف بھی حضرت موسیٰ کی طرف منسوب ہے، ان فقروں میں سب سے پہلے آپ کی نظر اس پر پڑنی چاہیے کہ یہ پوری کتاب یا اس کے آخری اجزاء حضرت موسیٰ کی تصنیف نہیں، لیکن باایں ہمہ دنیا حضرت موسیٰ کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں ہے۔

۲- ان درسوں کے الفاظ "آج تک اس کی قبر کو کوئی نہیں جانتا، اور اب تک ویسا کوئی نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا" ظاہر کرتے ہیں کہ سوانح موسوی کے یہ تکمیلی اجزاء اتنی مدت دراز کے بعد لکھے گئے ہیں، جس میں ایک مشہور یادگار کو لوگ بھول جاسکتے ہیں، اور ایک نئے پیغمبر کے ظہور کی توقع کی جاسکتی تھی۔

۳- حضرت موسیٰ نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی، مگر غور سے دیکھو کہ اس ۱۲۰ برس کی عمر کے طویل زمانہ کی وسعت کو بھرنے کے لیے ہم کو حضرت موسیٰ کے کیا واقعات معلوم ہوئے ہیں، اور ان کے سوانح کے ضروری اجزاء ہمارے ہاتھ میں کیا ہیں، پیدائش، جوانی میں ہجرت، شادی، اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں، پھر چند لڑائیوں کے بعد بوڑھاپے میں ۱۲۰ برس کی عمر میں ان سے ملاقات ہوتی ہے، ان واقعات کو جانے دیجئے، یہ تو شخصی حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں، انسان کو اپنی سوسائٹی کے عملی نمونہ کے لیے جن اجزاء کی ضرورت ہے، وہ اخلاق و عادات اور زندگانی کے طور و طریق ہیں، اور یہی اجزاء حضرت موسیٰ کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے گم ہیں، ورنہ عام جزئی حالات یعنی اشخاص کے نام و نسب، مقامات کے پتے، مردم شماریاں اور قانونی فال واقوال بہت کچھ تورات میں مذکور ہیں، مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ، کرانولوجی، نسب ناموں اور قانون دانی کے لیے کس قدر ضروری کیوں نہ ہوں، مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار، اور اجزاء سے سوانح کی کاملیت سے معرا ہیں۔

اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰ ہیں، جن کے پیرو آج یورپین مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے مذاہب کے پیرووں سے زیادہ ہیں، مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی، کہ اسی مذہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب سے زیادہ کم معلوم ہیں، آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا یہ حال ہے، کہ وہ بابل واسیریا، عرب وشام، مصر وافریقہ، ہندوستان و ترکستان کے ہزار ہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر اور کھنڈروں، پہاڑوں اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظر عام پر لارہا ہے، اور دنیا کی تاریخ کے گمشدہ اوراق از سر نو ترتیب دے رہا ہے، مگر اس کا مسیحائی معجزہ جس چیز کو زندہ نہیں کرسکتا، وہ خود حضرت عیسیٰ کی زندگی کے مدفون واقعات ہیں، پروفیسر رینان نے کیا کیا نہ کیا، مگر حضرت عیسیٰ کے واقعات زندگی نہ ملنا تھا، نہ مل سکے، انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ کی زندگی ۳۳ برس کی تھی، موجودہ انجیلوں کی روایتیں اوّلاً تو نامعتبر ہیں، اور جو کچھ ہیں بھی وہ صرف ان کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں، ہم کو ان کی تاریکی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں، وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مصر لائے گئے، لڑکپن میں ایک دو معجزے دکھائے، اس کے بعد وہ غائب ہوجاتے ہیں، اور پھر یک بیک تیس برس کی عمر میں بپتسمہ دیتے اور پہاڑیوں، اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں، چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں، یہودیوں سے چند مناظرے ہوتے ہیں، یہودی ان کو پکڑوا دیتے ہیں، رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے، اور سولی دے دی جاتی ہے، تیسرے دن ان کی قبر ان کی

لاش سے خالی نظر آتی ہے، تیس برس اور کم از کم پچیس برس کا زمانہ کہاں گزرا اور کیونکر گزرا؟ دنیا اس سے ناواقف ہے، اور رہے گی، ان تین آخری برسوں کے واقعات میں بھی کیا ہے؟ چند معجزے اور مواعظ اور آخر سولی!

جامعیت کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لیے تیسری ضروری شرط "جامعیت" ہے۔ جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لیے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لیے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس "آئیڈیل زندگی" کے آئینہ میں موجود ہوں، اس نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ السلام والصلوٰۃ کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی، مذہب کیا چیز ہے، خدا اور بندوں، اور باہم بندوں کے متعلق جو فرائض اور واجبات ہیں ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بجالانے کا نام ہے، اس لیے ہر مذہب کے پیروؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق، فرائض اور واجبات کی تفصیلات تلاش کریں، اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں، حقوق اللہ اور حقوق عباد دونوں حیثیتوں سے جب آپ تفصیلات ڈھونڈھیں گے تو وہ پیغمبر اسلام کے سوا آپ کو کہیں نہیں ملیں گی۔

مذاہب دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن میں یا تو خدا تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ بودھ اور جین مذہب کے متعلق کہا جاتا ہے، اس لیے ان مذہبوں میں تو خدا، اس کی ذات، صفات اور دیگر حقوقِ الٰہی کا پتہ ہی نہیں، اور اس لیے ان کے بانیوں میں محبتِ الٰہی، خلوص، توحید پرستی وغیرہ کی تلاش ہی بیکار ہے، دوسرے وہ مذاہب ہیں جنہوں نے خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے، ان مذہبوں کے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگیوں میں بھی خداطلبی کے واقعات مفقود ہیں، خدا کے متعلق ہم کو کیا اعتقادات رکھنے چاہئیں، اور ان کے کیا اعتقادات تھے علاوہ ان اعتقادات پر ان کو کس حد تک عملاً یقین تھا، اس کی تفصیل سے ان کی سیرتیں خالی ہیں، پوری تورات پڑھ جاؤ، خدا کی توحید اور اس کے احکام اور قربانی کے شرائط کے علاوہ تورات کی پانچ کتابوں میں کوئی ایسا فقرہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰ کے تعلقات قلبی، اور طاعت و عبادت، اور خدا پر توکل و یقین، خدا کے صفاتِ کاملہ والٰہیہ کی جلوہ گری ان کے قلبِ اقدس میں کہاں تک تھی، حالانکہ اگر موسوی مذہب ہمیشہ کے لیے اور آخری مذہب کے طور پر آیا ہوتا تو اس کے پیروؤں کا فرض تھا کہ وہ ان واقعات کو قیدِ تحریر میں لاتے، مگر خدا کی مصلحت یہ ہی تھی، اس لیے ان کو اس کی توفیق نہ ملی۔

حضرت عیسیٰ کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے، انجیل میں اس ایک مسئلہ کے علاوہ کہ خدا حضرت عیسیٰ کا باپ تھا، ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات اور روابط تھے، بیٹے کے اقرار سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ باپ کو بیٹے سے بڑی محبت تھی، مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بیٹے کو باپ سے کس درجہ محبت تھی، وہ کہاں تک اپنے باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں [illegible] تھا، وہ اس کے آگے شب و روز میں کبھی جھکتا بھی تھا، اور "آج کی روٹی" کے سوا وہ کوئی اور چیز بھی اس نے کبھی اس سے مانگی، گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی ایک رات بھی اس پر ایسی گزری جب وہ باپ کے حضور میں دعا مانگ رہا ہو، پھر ایسی سیرت سے ہم روحانی حیثیت سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اگر حضرت عیسیٰ کی سیرت میں خدا اور بندہ کے تعلقات واضح ہوتے تو ساڑھے تین سو برس کے بعد پہلے عیسائی بادشاہ کو نیقیہ میں تین سو عیسائی علما کی مجلس اس کے فیصلہ کے لیے فراہم کرنی نہ پڑتی اور وہ اب تک ایک ناقابلِ فہم راز نہ بنے رہتے۔

اب حقوقِ عباد کی حیثیت کو لیجئے تو اس سے بھی حضرت خاتم النبیین صلعم کے سوا تمام دیگر انبیا علیہم السلام اور بانیانِ مذاہب کی سیرتیں خالی ہیں، بودھ نے اپنے تمام اہل و عیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا، اور پھر کبھی اپنی پیاری بیوی سے جس سے اس کو محبت تھی اور اپنے اکلوتے بیٹے سے کوئی تعلق نہ رکھا، دوستوں کے جھرمٹ سے علیحدہ ہو گیا، حکومت اور سلطنت کے بارِ گراں سے سبکدوشی حاصل کی اور نروان یا موت کے حصول کو انسانی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا، ان حالات میں کیا کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بسنے والوں کے لیے جن میں حکومت و رعیت، شاہ و گدا، آقا و نوکر، باپ بیٹے، بھائی بہن، اور دوست احباب کے تعلقات ہیں، بودھ کی سیرت کچھ کارآمد ہو سکتی ہے؟ کیا بودھ کی زندگی میں کوئی ایسی جامعیت ہے جو تارک الدنیا بھکشوؤں اور کاروباری انسانوں دونوں کے لیے قابلِ تقلید ہو؟ اسی لیے اس کی زندگی کبھی بھی اس کے ماننے والے کاروباریوں کے لیے قابلِ تقلید نہ بنی، ورنہ چین و جاپان، سیام و انام، تبت و برما کی تمام سلطنتیں، تجارتیں، صناعیاں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہو جاتے، اور بجائے آباد شہروں کے صرف سنسان جنگلوں کا وجود رہ جاتا۔

حضرت موسیٰ کی زندگی کا ایک ہی پہلو نہایت واضح ہے، اور وہ جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے ورنہ اس کے علاوہ ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لیے دنیاوی حقوق، واجبات، فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے، میاں بیوی، باپ بیٹے، بھائی بھائی، دوست و احباب کے متعلق ان کا کیا طرزِ عمل تھا، صلح کے فرائض میں ان کا کیا دستور تھا، اپنے مال و دولت کو کن مفید کاموں میں انہوں نے لگایا، بیماروں، یتیموں، مسافروں اور غریبوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا، اور ان کے ماننے والے ان امور میں ان کی زندگی کی مثالوں سے کیونکر فائدہ اٹھائیں، حضرت موسیٰ بیوی رکھتے تھے، بچے رکھتے تھے، بھائی رکھتے تھے، دوسرے اعزہ اور متعلقین رکھتے تھے، اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کا پیغمبرانہ طرزِ عمل یقیناً بجزن گیری

سے پاک ہوگا، مگر ان کی موجودہ سیرت کی کتابوں میں ہم کو یہ ابواب نہیں ملتے، جو ہمارے لیے قابلِ تقلید اور نمونہ ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی ماں تھیں، اور انجیل کے بیان کے مطابق ان کے بھائی بہن بھی تھے، بلکہ مادی باپ تک بھی موجود تھا، مگر ان کی زندگی کے واقعات ان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ان کا تعلق، طرزِ عمل، سلوک اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے، حالانکہ دنیا ہمیشہ انہی تعلقات سے آباد رہی ہے، اور رہے گی، مذہب کا بڑا حصہ انہی کی متعلقہ ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا نام ہے، علاوہ ازیں حضرت عیسیٰؑ نے محکومانہ زندگی بسر کی، اس لیے ان کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے، وہ متاہل نہ تھے، اس لیے ان دو جوڑوں کے لیے جن کے درمیان توراۃ کے پہلے ہی باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم کیا ہے حضرت عیسیٰ کی زندگی تقلید کا کوئی سامان نہیں رکھتی، اور چونکہ دنیا کی بیشتر آبادی متاہلانہ زندگی رکھتی ہے، اس لیے اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے بیشتر حصۂ آبادی کے لیے ان کی سیرت نمونہ نہیں بن سکتی، جس نے گھر بار، اہل و عیال، مال و دولت، صلح و جنگ، دوست و دشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو، وہ اس دنیا کے لیے جو انہی تعلقات سے معمور ہے کیونکہ مثال ہو سکتا ہے، اگر آج دنیا یہ زندگی اختیار کرے تو کل وہ سنسان قبرستان بن جائے، تمام ترقیاں دفعۃً رک جائیں، اور عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ کے لیے بھی زندہ نہ رہے۔

عملیت "آئیڈیل لائف" کا سب سے آخری معیار عملیت ہے، عملیت سے یہ مقصود ہے کہ شارعِ دین اور بانیِ مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو، خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو، اور خود اس کے عمل نے اس کی تعلیم کو عملی یعنی قابلِ عمل ثابت کیا ہو۔

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دلچسپ نظریہ، اور خوشنما سے خوشنما اقوال، ہر شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے، لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت نہیں پیش کر سکتا وہ عمل ہے، انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل اس کے نیک اور معصوم اقوال، خیالات اور اخلاقی و فلسفیانہ نظریے نہیں، بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں، اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے اور برے کی تمیز اٹھ جائے، اور دنیا صرف بات بنانے والوں کی مسکن رہ جائے، اب مجھے پوچھنے دیجئے کہ لاکھوں شارعین اور ہزاروں بانیانِ مذاہب میں سے کون اپنی عملی سیرت کو اس ترازو پر تلوانے کے لیے آگے بڑھ کر ہے؟

تو اپنے خداوند خدا کو اپنی ساری جان اور دل سے پیار کر، تو دشمن کو پیار کر، جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے اپنا بایاں گال بھی پھیر دے، جو تجھ کو ایک میل بے گار لے جائے تو اس کے ساتھ دو میل جا، جو تیرا کوٹ مانگے تو اس کو کرتا بھی دے دے، تو اپنے تمام مال و اسباب کو خدا کی راہ میں دے دے، تو اپنے بھائی کو ستر دفعہ معاف کر، آسمان کی بادشاہت میں دولتمند کا داخل ہونا مشکل ہے" یہ اور اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں نہایت دلخوش کن ہیں، مگر عمل سے ان کی تصدیق نہ ہو تو وہ سیرت کا ٹکڑا نہیں، بلکہ وہ صرف معصومانہ شیریں زبانیوں کا ایک مجموعہ ہیں جس نے اپنے دشمن پر غالب نہ پایا ہو، وہ عفو کی عملی مثال کیسے پیش کر سکتا ہے، جس کے پاس خود کچھ نہ ہو، وہ غریبوں اور مسکینوں اور یتیموں کی مدد کیونکر کر سکتا ہے، جو عزیز و اقارب بیوی، بچے نہ رکھتا ہو، وہ انہی تعلقات سے آباد دنیا کے لیے مثال کیونکر بن سکتا ہے، جس نے بیماروں کی تیمارداری اور عبادت کی ہو، وہ اس کا وعظ کیونکر کہہ سکتا ہے جس کو خود دوسروں کے معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو اس کی زندگی ہم میں سے غضبناک اور غصہ ور لوگوں کے لیے نمونہ کیسے بنے گی،

غور فرمایئے! نیکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک سلبی اور ایک ایجابی، مثلاً آپ پہاڑ کے ایک کھوہ میں جا کر عمر بھر کے لیے بیٹھ گئے تو صرف یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بدیوں اور برائیوں سے آپ نے پرہیز کیا، یعنی آپ نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو آپ کے لیے قابلِ اعتراض ہو، مگر یہ تو سلبی تعریف ہوئی، ایجابی پہلو آپ کا کیا ہے؟ کیا آپ نے غریبوں کی مدد کی، محتاجوں کو کھانا کھلایا، کمزوروں کی حمایت کی، ظالموں کے مقابلہ میں حق گوئی سے کام لیا، گرتوں کو سنبھالا، گمراہوں کو راستہ دکھایا، عفو، کرم، سخاء، مہمان نوازی، حق گوئی، رحم، حق کی نصرت کے لیے جوش، جد و جہد، مجاہدہ، ادائے فرض، ذمہ داریوں کی بجا آوری، غرض تمام وہ اخلاق جن کا تعلق عمل سے ہے، وہ صرف سلبِ فعل اور عدمِ عمل سے نیکیاں نہیں بن جائیں گے، نیکیاں صرف سلبی ہی پہلو نہیں رکھتیں، زیادہ تر ایجابی اور عملی پہلو پر ان کا مدار ہوتا ہے، اس تقریر سے ظاہر ہوگا کہ جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو "آئیڈیل لائف" اور قابلِ تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جا سکتا، کہ انسان اس کی کس چیز کی نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا؟ ہم کو تو صلح و جنگ، فقر و دولت، ازدواج و تجرد، تعلقاتِ خداوندی و تعلقاتِ عباد، حاکمیت و محکومیت، سکون و غضب، جلوت و خلوت، غرض زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہیے، دنیا کا بیشتر بلکہ تمام تر حصہ انہی مشکلات اور تعلقات میں الجھا ہوا ہے، اس لیے لوگوں کو انہی مشکلات کے حل کرنے اور انہی تعلقات کو بوجہ احسن انجام دینے کے لیے عملی مثالوں کی ضرورت ہے، قولی نہیں بلکہ عملی، لیکن یہ کہنا شاعری اور خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے کہ اس معیار پر بھی سیرتِ محمدی کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی۔

میں نے آج جو کچھ کہا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے، میں یہ کہنا اور دکھانا چاہتا ہوں کہ آئیڈیل لائف، اور نمونۂ تقلید بننے کے لیے جو حیاتِ انسانی منتخب کی جائے ضرور ہے کہ اس کی سیرت کے موجودہ نقشہ میں یہ چار باتیں پائی جائیں، یعنی تاریخیت، جامعیت، کاملیت اور عملیت، میرا یہ مقصد نہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السّلام کی زندگیاں اُن کے عہد اور زمانہ میں

ان خصوصیات سے خالی تھیں، بلکہ یہ مقصد ہے کہ ان کی سیرتیں جو اُن کے بعد عام انسانوں تک پہنچیں، یا جو آج موجود ہیں، وہ ان خصوصیات سے خالی ہیں، اور ایسا ہونا مصلحتِ الٰہی کے مطابق تھا، تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ وہ انبیاءؑ محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لیے تھے، اس لیے اُن کی سیرتوں کو دوسری قوموں اور آیندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی، صرف محمد رسول اللہ صلعم تمام دنیا کی قوموں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نمونۂ عمل اور قابلِ تقلید بناکر بھیجے گئے تھے، اس لیے آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل، دائمی اور ہمیشہ کے لیے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ختمِ نبوّت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۙ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(۳)

تاریخیّت

آیئے اب ان چاروں معیاروں کے مطابق پیغمبرِ اسلام علیہ السّلام کی سیرۃ مبارکہ پر نظر ڈالیں، سب سے پہلی چیز تاریخیت ہے، اس باب میں تمام دنیا متفق ہے، کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرتؐ کی ذاتِ مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے، وہ عالم کے لیے مایۂ حیرت ہے، ان لوگوں کو جو آنحضرت صلعم کے اقوال، افعال اور متعلقاتِ زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، راویانِ حدیث و روایت یا محدّثین اور اربابِ سیر کہتے ہیں، جن میں صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب تمام سرمایۂ روایت، تحریری صورت میں آگیا، تو ان تمام راویوں کے نام و نشان، تاریخِ زندگی، اخلاق و عادات کو بھی قیدِ تحریر میں لایا گیا، جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور ان سب کے مجموعۂ احوال کا نام اسماء الرّجال ہے، مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر جو ۱۸۴۵ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے علمی و تعلیمی صیغہ سے متعلق تھے، اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے سکریٹری تھے، اور ان کے عہد میں خود ان کی محنت سے واقدی کی مغازی، و ان کریمر کی اڈیٹرشپ میں ۱۸۵۶ء میں شائع ہوئی، اور صحابۂ کرامؓ کے حالات میں حافظ ابن حجر کی اصابہ فی احوال الصحابہ طبع ہوئی، اور جنہوں نے رسالہ ان کا دعوی ہے کہ وہ پہلے یورپین شخص ہیں جس نے خاص ابتدائی عربی ماخذوں سے "لائف آف محمد" لکھی ہے، اور مخالفانہ لکھی ہے، وہ بھی اصابہ کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۳ء تا ۱۸۶۴ء میں لکھتے ہیں؛

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری، نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح

اسماء الرّجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو۔"

صحابۂ کرام کی تعداد حیاتِ نبوی کے اخیر سال حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تھی ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام و نشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں جو خاص اُنہی کے حالات میں لکھے گئے ہیں، اس لیے موجود ہیں، کہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے کم و بیش آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال و واقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے، یعنی جنہوں نے روایت کی خدمت انجام دی ہے۔ اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کا ہے،

۱۱ھ میں آنحضرت صلعم نے وفات پائی، اور تقریباً ۴۰ھ تک اکابرِ صحابہؓ عالمِ وجود میں رونق افزار ہے، ۶۰ھ تک اصاغرِ صحابہؓ کی جو عہدِ نبوت میں کم سن تھے، خاصی تعداد موجود تھی، اور صدی کے ختم ہونے تک اس نورِ نبوت کا تقریباً ہر چراغ گل ہو گیا تھا، ہر شہر میں سب سے آخر وفات پانے والے صحابیوں کے نام اور سالِ وفات یہ ہیں؛

شمار	اسم گرامی	نام شہر	سالِ وفات
۱	ابوامامہ باہلیؓ۔	شام	۸۶ھ
۲	عبداللہ بن حارث بن جزءؓ۔	مصر	۸۶ھ
۳	عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ	کوفہ	۸۷ھ
۴	سائب بن یزیدؓ۔	مدینہ	۹۱ھ
۵	انس بن مالکؓ۔	بصرہ	۹۳ھ

حضرت انس بن مالکؓ جنہوں نے اس فہرست میں سب سے آخر جگہ پائی ہے، وہ آنحضرت صلعم کے خادمِ خاص تھے، دس برس تک متصل آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہے ہیں، وہ ۹۳ھ میں وفات پاتے ہیں۔

تابعینؒ یعنی صحابہؓ کے تلامذہ کا دور ۱ھ کے آغاز سے اس طرح شروع ہوتا ہے کہ گو وہ پیدا ہو چکے تھے، مگر آنحضرتؐ کی زیارت سے محروم رہے، یا بہت بچے تھے، اور آنحضرت صلعم کا فیض نہ حاصل کر سکے، چنانچہ عبدالرحمٰن بن حارث تابعیؒ تقریباً ۳ھ میں قیس بن ابی حازمؒ ۴ھ میں، سعید بن مسیبؒ ۱۴ھ میں پیدا ہو چکے تھے، یہ دکھانے کے لیے کہ صحابہؓ کے بعد گروہ در گروہ تابعین جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے تھے اور رسول اللہ صلعم کے وقائع و حالات، اور احکام و قضایا کی تعلیم و تبلیغ اور اشاعت میں مصروف تھے، ان کی مجموعی تعداد کیا ہوگی، میں صرف ایک مدینہ کے تابعین کی تعداد ابن سعد کے حوالہ سے بتاتا ہوں، طبقۂ اولیٰ یعنی ان تابعیوں کی تعداد جنہوں نے بڑے بڑے صحابہؓ کو دیکھا تھا، اور ان سے واقعات و مسائل سنے تھے، ۱۳۹ ہے، طبقۂ دوم کے تابعی جنہوں نے مدینہ میں عام صحابیوں کو دیکھا اور اُن سے سنا ۱۲۹ ہیں طبقۂ سوم

ے وہ تابعین جنہوں نے متعدد یا کسی ایک صحابی کو دیکھا اور اُن سے سنا، نہیں، اسماء تابعین کی کل تعداد ۲۵۰ ہے، یہ تعداد صرف ایک شہر کی ہے، اسی سے مکہ معظمہ، طائف بصرہ، کوفہ، دمشق، یمن، مصر، وغیرہ کے ان تابعیوں کا اندازہ لگاؤ جو اپنے اپنے شہروں میں صحابہ کرامؓ کے تلمذ کا شرف رکھتے تھے، اور جن کے روز و شب کا مشغلہ ہی آنحضرت صلعم کے قول و فعل کی اشاعت و تبلیغ تھی، اس اہتمام کو خیال کرو کہ ہر صحابیؓ سے جو کچھ روایتیں ہیں ان میں سے ہر ایک کا شمار کر لیا گیا، اور وہ گن لی گئیں، اس سے اندازہ کرو کہ آنحضرت صلعم کے حالات و اقوال کی فراہمی میں کس قدر بلیغ اہتمام کیا گیا ہے، صحابہ کرامؓ میں سے جن اصحاب کی سب سے زیادہ روایتیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

شمار	اسمائے گرامی	روایتوں کی تعداد	سال وفات
۱	حضرت ابو ہریرہؓ	۵۳۷۴	سنہ ۵۹ھ
۲	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۶۶۰	سنہ ۶۸ھ
۳	حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲۲۱۰	سنہ ۵۸ھ
۴	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۶۳۰	سنہ ۷۳ھ
۵	حضرت جابر بن عبداللہؓ	۱۵۶۰	سنہ ۷۸ھ
۶	حضرت انس بن مالکؓ	۱۲۸۶	سنہ ۹۳ھ
۷	حضرت ابو سعید خدریؓ	۱۱۷۰	سنہ ۷۴ھ

یہی وہ لوگ ہیں جن کی روایات آج سیرت نبویؐ کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں، ان کی وفات کی "تاریخوں" پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا، کہ ان کی وفات کے سال اس قدر متاخرین کہ ان سے فیض اٹھانے اور ان کی روایتوں کو حفظ اور تدوین کرنے والوں کی تعداد یقیناً ہوگی، انہی باتوں کی واقفیت اور آگاہی کا نام اس زمانہ میں علم تھا، اور وہ دینی اور دنیاوی دونوں عزتوں کا ذریعہ تھیں، اس لیے ہزاروں صحابہؓ نے جو کچھ دیکھا اور جانا تھا آنحضرت صلعم کے حکم بَلِّغُوا عَنِّی (مجھ سے جو کچھ سنو اور دیکھو اس کی اشاعت کرو) یا فلیبلغ الشاهد الغائب۔ (جو مجھے دیکھ رہے ہیں اور مجھ سے سن رہے ہیں وہ ان کو مطلع کر دیں، جو اس سے محروم رہے ہیں) کے مطابق وہ سب اپنی اپنی اولادوں، عزیزوں، دوستوں، اور ملنے والوں کو سناتے اور بتاتے رہتے تھے، یہی ان کی زندگی کا کام اور یہی ان کے روز و شب کا مشغلہ تھا، اس لیے صحابہؓ کے بعد فوراً ہی دوسری نوجوان پود ان معلومات کی حفاظت کے لیے کھڑی ہوگئی، ان میں سے ہر ایک کو ہر واقعہ کا لفظ لفظ یاد کرنا پڑتا تھا، ان کو دہرانا پڑتا تھا، اور حرفاً حرفاً محفوظ رکھنا پڑتا تھا، آنحضرت صلعم نے جہاں اپنے اقوال اور افعال کی اشاعت کی تاکید کی تھی، وہاں یہ بھی تہدید کر دی تھی کہ "جو کوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلط یا جھوٹ بات بیان کرے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا" اس اعلان کا یہ اثر تھا، کہ بڑے بڑے صحابہؓ روایت کرتے وقت کانپنے لگتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک دفعہ آنحضرت صلعم کی کوئی بات نقل کی، تو چہرے کا رنگ بدل گیا، تھرا گئے، پھر کہا "حضورؐ نے ایسا ہی فرمایا تھا، یا اسی کے قریب قریب فرمایا تھا"

عربوں کا حافظہ فطرۃً نہایت قوی تھا، وہ سیکڑوں شعر کے قصیدے زبانی یاد رکھتے تھے، اس کے علاوہ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس وقت سے جس قدر کام لیا جائے اسی قدر زیادہ اس کو ترقی ہوتی ہے، صحابہؓ اور تابعینؒ نے قوت حفظ کو معراج کمال تک پہنچایا، وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک حدیث کو اسی طرح زبانی سن کر یاد کرتے تھے، جیسے آج مسلمان قرآن مجید یاد کرتے ہیں، ایک ایک محدث کئی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثیں زبانی یاد کرتا تھا، اور یاد رکھتا تھا، اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت کے لیے لکھ بھی لیتے تھے مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رکھتے اہل علم کی نگاہوں میں اُن کی عزت نہیں ہوتی تھی، اور وہ خود اپنی تحریری یادداشتوں کو عیب کی طرح چھپاتے تھے، تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ ان کو یہ چیزیں یاد نہیں ہیں۔

دوستو! بعض اورنٹیلسٹ اسکالرس، اور بعض پڑھے لکھے مشنریوں نے جن میں سب سے آگے سر ولیم میور اور گولڈزیہر ہیں، اس بنا پر کہ روایات نبویؐ کی تحریر و تدوین کا کام آنحضرت صلعم کی وفات کے ۹۰ برس بعد شروع ہوا، ان کی صحت اور وثوق میں شک پیدا کرنا چاہا ہے، مگر ہم نے جس طرح اوپر بتفصیل آپ کے سامنے پوری روداد رکھی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہؓ کس طرح واقعات کو یاد رکھتے تھے، کس طرح احتیاط برتتے تھے، کس طرح آنے والی نسلوں کو وہ امانت سپرد کرتے تھے، اس سے خود اندازہ ہوگا کہ گو وہ روایات تحریری صورت میں بہت بعد کو آئی ہوں تاہم ان کی صحت اور وثوق میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

صحابہؓ نے اپنے معلومات کو عموماً تین اسباب سے قید تحریر میں لانا مناسب نہیں سمجھا،

۱۔ ابتداءً آنحضرت صلعم نے قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز کو کتاب کی صورت میں رکھنے کی ممانعت کر دی تھی، اور فرمایا تھا کہ قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو۔ "لا تکتبوا عنی غیر القرآن" اور یہ اس لیے تھا کہ عام لوگوں کو قرآن اور غیر قرآن میں باہمی التباس نہ ہو جائے، چنانچہ جب قرآن مسلمانوں میں پوری طرح محفوظ ہوگیا، تو آخر میں خود آنحضرت صلعم نے بعض صحابہؓ کو احادیث کی تحریر کی اجازت دیدی، اس پر بھی اکثر صحابہؓ ان کو قیدِ تحریر میں لانے سے اخیر دم تک احتیاط برتتے رہے۔

۲۔ صحابہؓ کو ڈر تھا کہ وقائع کے تحریری صورت میں آجانے کے بعد لوگوں کو پھر ان کے ساتھ وہ اعتنا، توجہ اور مشغولیت باقی نہیں رہے گی، اور لوگ تحریری مجموعہ کے موجود رہنے کے سبب ان کے حفظ اور زبانی یاد رکھنے کی محنت سے جی چرائیں گے یہ ڈر بالکل صحیح ثابت ہوا، چنانچہ جیسے جیسے سفینوں کا علم بڑھتا گیا، سینوں کا علم گھٹتا گیا، نیز اسی سلسلہ میں ان کو یہ بھی خیال تھا کہ ہر کس و ناکس کتاب کے مجموعہ کو ہاتھ میں لے کر عالم بننے کا دعویٰ کر بیٹھے گا، چنانچہ یہ بھی ہوا۔

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ ابھی تک عرب میں کسی واقعہ کو لکھ کر اپنے ذہن میں

محفوظ رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا، لوگ اس کو اپنی کمزوری کا اعلان کرتے تھے، اس لیے کوئی چیز تحریر بھی کر لیتے تو اس کو چھپائے رکھتے تھے۔

محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یادداشت تحریری یادداشت سے زیادہ محفوظ صورت ہے، یادداشت کو دوسروں کے تصرف سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا، ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کوئی اس میں کمی بیشی نہ کر دے، مگر جو نقوش دلوں کی لوحوں پر کندہ ہو جاتے ہیں، ان میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔

آج پہلی دفعہ آپ کی مجلس میں، اور سب سے پہلے آپ کی مجلس میں اس حقیقت کو آشکارا کیا جاتا ہے، کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ سو برس یا نوے برس تک وقائع و اقوال نبوی کا دفتر صرف زبانی روایتوں تک محدود رہا، اس غلط فہمی کا اصل سبب یہ ہے کہ احادیث و اخبار نبویؐ کی پہلی کتاب امام مالکؒ کی موطا، اور مغازی و سیرت میں ابن اسحاقؒ کی کتاب المغازی سمجھی جاتی ہے، یہ دونوں بزرگوار ہمعصر تھے، اور ان کی وفات بالترتیب ۱۷۹ھ اور ۱۵۱ھ میں ہوئی، اس لیے اخبار و سیر کی سب سے پہلی تدوین کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا اوائل سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس سے بہت پہلے احادیث و اخبار کی ترتیب و تدوین کا سراغ لگتا ہے، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے ۱۰۱ھ میں وفات پائی، وہ خود بڑے عالم تھے، مدینہ کے امیر بھی رہ چکے تھے، ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے، انہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو جو حدیث و خبر کے بڑے امام تھے، فرمان بھیجا کہ آنحضرت صلعم کے سنن و اخبار کی تحریر و تدوین کا کام شروع کر دو کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے گم ہو جانے کا ڈر ہو رہا ہے، یہ واقعہ تعلیقات بخاری، موطا اور مسند دارمی وغیرہ میں مذکور ہے، چنانچہ اس فرمان کی تعمیل کی گئی، اور اخبار و احادیث و سنن دفاتر میں لکھ کر دارالخلافۃ میں آئے، اور ان کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ کے مرکزی شہروں میں بھیجی گئیں، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کا انتخاب اس کام کے لیے اس لیے ہوا کہ وہ خود امام تھے، مدینۃ العلم مدینہ منورہ میں قاضی وقت تھے، لیکن اس کے علاوہ اس لیے بھی یہ انتخاب موزون تھا، کہ ان کی خالہ عمرہ، حضرت عائشہ کی سب سے بڑی شاگرد تھیں، اور ان کی روایتیں جو حضرت عائشہؓ سے تھیں ان کا سرمایہ ابوبکر بن حزم کے پاس پہلے سے جمع تھا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو خاص عمرہ کی روایتوں کی تدوین کے متعلق بھی حکم دیا تھا۔

عہد نبوی کا تحریری سرمایہ

آگے بڑھ کر ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ خود عہد نبویؐ ہی میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہو چکا تھا، فتح مکہ کے موقعہ پر آپ نے ایک خطبہ دیا تھا، صحیح بخاری میں ہے کہ ابوشاہؓ ایک یمنی صحابی کی درخواست پر آپ نے یہ خطبہ لکھ کر ان کے حوالہ کرنے کا حکم دیا، (باب کتابۃ العلم) آنحضرت صلعم نے سلاطین عالم کے نام جو خطوط روانہ کیے وہ لکھے ہوئے تھے، دس پندرہ برس ہوئے کہ مصر میں آپ کا وہ خط جو مقوقس شاہ مصر کے نام آپ نے بھیجا تھا، ایک عیسائی گرجے کی کسی کتاب کی جلد میں لگا ہوا ملا ہے، گمان کیا جاتا ہے کہ وہ بعینہ وہی نامہ ہے، جو آپ نے لکھوایا تھا، اس کے فوٹو عام طور سے ملتے ہیں، یہ پرانے عربی خط میں ہے، اور اس کی بعینہ وہی عبارت ہے، اس مُہر میں نامہ کے وہی الفاظ اور صورت تحریر ہے، جس طرح حدیثوں میں بیان آیا ہے، یہ اسلامی روایات کی صداقت کی کتنی بڑی دلیل ہے، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو حدیث یاد نہیں، مجھ سے زیادہ ان کے پاس حدیثوں کا سرمایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلعم سے جو کچھ سنتے اس کو لکھتے جاتے تھے، اور میں لکھتا نہ تھا (بخاری باب کتابۃ العلم) ابوداؤد اور مسند ابن حنبل میں ہے کہ بعض لوگوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے کہا کہ آنحضرت صلعم کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوش رہتے ہیں اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو، عبداللہ بن عمروؓ نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا، اور آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے، حق نکلتا ہے (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۷۷) عبداللہ بن عمروؓ نے اپنے اس مجموعہ کا نام صادقہ رکھا تھا، (ابن سعد ج ۴ قسم ۲ ص ۱۲۵) اور کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنی زندگی کی آرزو صرف دو چیزوں نے پیدا کر دی ہے، جن میں ایک یہ صادقہ ہے، اور صادقہ وہ صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہ صلعم سے سن کر لکھا ہے، (دارمی ۶۹) امام مجاہد کہتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن عمروؓ کے پاس ایک کتاب رکھی دیکھی، دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ صادقہ ہے جس کو میں نے خود آنحضرت صلعم سے سنا جس میں میرے اور آپ کے درمیان کوئی دوسرا نہیں ہے، (ابن سعد ۴-۲-۱۲۵) صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے مدینہ آنے کے کچھ مدت بعد مسلمانوں کی مردم شماری کرائی اور ان کے نام لکھوائے تو پندرہ سو ہوئے (باب الجہاد) زکوٰۃ کے احکام، مختلف چیزوں پر زکوٰۃ اور اس زکوٰۃ کی مختلف شرحیں جو پورے دو صفحوں میں ہیں، اُن کو لکھوا کر آنحضرت صلعم نے امراء کو بھیجا تھا، اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس ابوبکر بن عمرو بن حزم کے خاندان میں، اور متعدد اشخاص کے پاس موجود تھیں (دارقطنی کتاب الزکوٰۃ ۲۰۹) زکوٰۃ کے محصلین کے پاس دیگر تحریری ہدایتیں بھی موجود تھیں (دارقطنی ۲۰۴) حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا، جو ان کی تلوار کے نیام میں پڑا رہتا تھا اس میں متعدد حدیثیں متعلقہ احکام قلمبند تھیں اور انہوں نے اس کو لوگوں کی درخواست پر دکھایا (بخاری ۲ صفحہ ۱۰۸۴ و ۱۰۲۰) حدیبیہ میں جو صلح نامہ آنحضرت صلعم اور کفار قریش کے درمیان حضرت علیؓ نے لکھا تھا اس کی ایک نقل قریش نے لی، اور ایک آنحضرت صلعم نے اپنے پاس رکھی، (ابن سعد مغازی ص ۷۱) عمرو بن حزم کو جب رسول اللہ صلعم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر لکھوا کر حوالہ کی جس میں فرائض، صدقات، دیات وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتیں تھیں، (کنزالعمال ۳ صفحہ ۱۸۶) عبداللہ بن الحکیمؓ کے پاس رسول اللہ صلعم کا نامہ پہنچا، جس میں مُردہ جانور کے متعلق حکم درج تھا (معجم صغیر طبرانی صفحہ ۲۱۷) وائل بن حجر صحابیؓ جب بارگاہ نبویؐ سے اپنے وطن حضر موت

جانے لگے تو آنحضرت صلعم نے ان کو خاص طور پر ایک نامہ لکھوا کر دیا، جس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، شراب اور دیگر احکام تھے، (طبرانی صغیر صفحہ ۲۴۲) ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مجمع سے پوچھا کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم نے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو دلایا؟ ضحاک بن سفیان نے کھڑے ہو کر کہا، مجھے معلوم ہے، آنحضرت صلعم نے ہم کو یہ لکھوا کر بھیجا تھا۔ (دار قطنی ۲ صفحہ ۴۸۵)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہدِ خلافت (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) میں آنحضرت صلعم کے فرمان متعلق صدقات کی تلاش کے لیے اہلِ مدینہ کے پاس قاصد بھیجا تو وہ آلِ عمرو بن حزم کے ہاں مل گیا (دار قطنی ۲۱۰) آپ نے اہلِ یمن کو جو احکام لکھوا کر بھجوائے تھے، ان میں یہ مسئلے تھے، قرآن صرف پاکی کی حالت میں چھوا جائے، غلام خریدنے سے پہلے آزاد نہیں کیا جا سکتا، اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں، (دارمی صفحہ ۲۹۳) حضرت معاذؓ نے آنحضرت صلعم سے لکھ کر غالباً یمن سے یہ دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپ نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں، (دار قطنی صفحہ ۲۰۵) مروان نے خطبہ میں بیان کیا کہ مکہ حرم ہے، رافع بن خدیج صحابیؓ نے پکار کر کہا "اور مدینہ بھی حرم ہے، اور یہ حکم میرے پاس لکھا ہوا موجود ہے، اگر تم چاہو تو میں اس کو پڑھ کر سناؤں" (ابن حنبل ج ۴ ص ۱۴۱) ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر صحابیؓ کو لکھا کہ آنحضرت صلعم جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ کے سوا اور کون سورہ پڑھتے تھے، انہوں نے جواب لکھا کہ هَلْ أَتَاكَ (مسلم ۲۲۲) حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو خط لکھا کہ آنحضرت صلعم نے حریر پہننے سے منع فرمایا ہے، (مسلم ۲-۲۰۷)۔

یہ وہ احکام و مسائل ہیں جو آنحضرت صلعم نے مختلف لوگوں کو لکھوا کر دیئے، یا بھجوائے، ہمارے پاس ایسے شواہد بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ احکام و سنن کو کتابی صورت میں لانے یا لانا چاہا، حضرت ابوبکرؓ نے ایک مجموعہ اپنے زمانۂ خلافت میں مرتب کیا، پھر اس کو پسند نہ کیا، اور مٹا دیا، (تذکرۃ الحفاظ) حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ پر اپنے زمانۂ خلافت میں غور کیا، اور بہت کچھ سوچتے رہے، مگر پھر ہمت نہ کی، ابھی آپ سن چکے ہیں، کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے خود آنحضرت صلعم کی اجازت سے ایک نسخہ لکھا تھا، جس میں آپ کے ملفوظات تھے، مختلف لوگ اس کو دیکھنے آتے تھے، اور وہ اس کو دکھاتے تھے، (ترمذی ۵۸۶) حضرت علیؓ کے فتاوی کا بڑا حصہ لکھا ہوا حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں لایا گیا (مسلم مقدمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتوں کے مختلف تحریری مجموعے تھے، اہلِ طائف میں سے کچھ لوگ ان کا ایک مجموعہ ان کو پڑھ کر سنانے کے لیے لائے (کتاب العلل ترمذی صفحہ ۶۹۱) سعید بن جبیر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے، (دارمی ۶۹) عبداللہ بن عمروؓ کا صحیفہ صادقہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس موجود تھا، (ترمذی ۶۱ و ۱۱۳) اور یہ بیچارے اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ وہ اپنے دادا کی کتاب دیکھ کر روایت کرتے ہیں، خود حافظ نہیں ہیں (تہذیب ج ۸ ص ۳۴۹) حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایتوں کا مجموعہ وہب تابعی نے تیار کیا تھا جو اسمٰعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا اور وہ اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے (تہذیب ج ۱ ص ۳۱۶) حضرت جابرؓ کی روایتوں کا دوسرا مجموعہ سلیمان بن قیس یشکری نے تیار کیا تھا، اور ابوالزبیر، ابوسفیان اور شعبی نے جو ائمہ حدیث میں ہیں، اور تابعی ہیں، حضرت جابرؓ کے صحیفہ کو ان سے سنا تھا، (تہذیب ج ۶ ص ۲۱۱) سمرہ بن جندب صحابیؓ سے ان کے بیٹے سلیمان روایتوں کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں، اور ان سے ان کے بیٹے حبیب، (تہذیب التہذیب ۱۹۸) حضرت ابوہریرہؓ جن سے زیادہ صحابہؓ میں کوئی حافظِ حدیث نہ تھا، ان کی روایتوں کا کچھ مجموعہ ہمام بن منبہ نے تیار کیا تھا جو صحیفۂ ہمام کے نام سے احادیث میں مشہور ہے، اس کو امام ابن حنبل نے مسند جلد ۲ میں صفحہ ۳۱۲ سے صفحہ ۳۱۸ تک نقل کیا ہے، بشیر ابن نہیک نے حضرت ابوہریرہؓ سے ان کی روایتوں کا مجموعہ لکھا، اور پھر اس کی روایت کی ان سے اجازت لی، (کتاب العلل ترمذی ۶۹۱، دارمی ۶۸) حضرت ابوہریرہؓ ایک دفعہ ایک صاحب کو اپنے مستقر پر بلا کر لائے اور دکھایا کہ یہ اوراق میرے مرویات ہیں، راوی کہتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ کے نہیں بلکہ کسی اور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے، (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۴، ۱۸۵)۔

حضرت انسؓ دوسرے صحابی ہیں جن سے بکثرت روایتیں ہیں، وہ خود اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے کہ "میرے بچو علم کو تحریر کی قید و بند میں لاؤ" (دارمی ۶۸) ابان اُن کے شاگرد ان کے سامنے بیٹھ کر ان کی روایتیں قیدِ تحریر میں لایا کرتے تھے (دارمی ۶۸) سلمٰی ایک خاتون کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ ابورافع آنحضرت صلعم کے غلام سے آنحضرت صلعم کے کارنامے لکھا کرتے تھے (ابن سعد ۲ قسم ۲ ص ۱۲۳) واقدی سیرتِ نبویؐ کے ابتدائی مصنفین میں سے ایک، بیان کرتا ہے کہ منذر بن ساوی رئیسِ عمان کے نام آنحضرت صلعم نے جو خط بھیجا تھا، وہ ابن عباسؓ کی کتابوں کے ساتھ میں نے دیکھا (زاد المعاد ۲-۵۷) غزوۂ بدر کا مفصل حال عروہ بن زبیر نے لکھ کر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا تھا، (طبری ۱۲۸۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت صلعم کے خادمِ خاص تھے، اور ان کو آنحضرت صلعم کی بارگاہ میں حاضری کا اذنِ عام تھا، ان کو شکایت تھی کہ لوگ میرے پاس آ کر سن جاتے ہیں، اور پھر اس کو جا کر لکھ لیتے ہیں، اور میں قرآن کے سوا کسی اور چیز کے لکھنے کو حلال نہیں جانتا (دارمی ۶۷) سعید بن جبیر تابعی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے رات کو روایتیں سنتا تھا، تو پالان پر لکھتا تھا، صبح کو پھر میں اس کو صاف کر لیتا تھا، (دارمی ۶۹) براء بن عازب صحابیؓ کے پاس لوگ بیٹھ کر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے (دارمی ۶۹) نافع جو حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں ۳۰ برس رہے تھے، وہ اپنے سامنے لوگوں کو لکھوایا کرتے تھے، (دارمی ۶۹) عبداللہ

ابن مسعودؓ کے صاحبزادہ عبدالرحمان ایک کتاب نکال لائے اور قسم کھاکر کہا یہ خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے (جامع ۱۷) سعید بن جبیر کہتے ہیں ہم لوگوں میں بعض باتوں میں اختلاف ہوتا تھا تو ان کو لکھتے تھے پھر حضرت ابن عمرؓ کے پاس اس یادداشت کو چھپاکر لاتے تھے، ان سے پوچھتے تھے، اگر ان کو اس کا پتہ چل جاتا تو بس ہمارے ان کے درمیان فیصلہ ہی تھا (جامع ۲۲) اسود تابعی کہتے ہیں کہ مجھ کو اور علقمہ کو ایک صحیفہ مل گیا، اس کو لے کر ہم حضرت ابن عمرؓ کے پاس آئے، تو انہوں نے مٹا دیا (جامع ۲۲) حضرت زید بن ثابت کاتب وحی تھے، ان کو بھی روایتوں کو تحریر میں لانے سے انکار تھا، تو مروان نے تدبیر کی کہ ان کو سامنے بٹھایا اور پردہ کے پیچھے کاتب مقرر کیے کہ وہ جو بولتے جائیں، یہ لکھتے جائیں، (جامع ۲۲) حضرت معاویہؓ نے بھی ان کی ایک حدیث اسی طرح لکھوائی تھی، لیکن وہ تاڑ گئے اور زبردستی مٹادی (اجمدہ ص ۱۸۲)۔

حضرات! شاید آپ ٹھوس واقعات اور اشخاص کے نام سنتے سنتے گھبرا اُٹھے ہوں، لیکن اطمینان رکھیے کہ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے صاف اور سیدھا راستہ نظر آرہا ہے، میں نے ان اقتباسات اور حوالوں میں یہ دکھایا ہے کہ تحریری سرمایہ ہی اگر دنیا میں قابلِ وثوق ہو سکتا ہے، تو خود عہدِ نبویؐ میں صحابہؓ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو جمع لیا، اور پچھلوں کے لیے یادگار چھوڑا، اور پچھلوں نے اس کو اپنی کتابوں میں داخل کر لیا، اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحابہؓ ہی کی زندگی میں تابعین نے ان کے تمام مرویات، واقعات اور حالات کو ایک ایک سے پوچھ کر، ایک ایک کے دروازہ پر جاکر بوڑھے، جوان، عورت، مرد سب سے تحقیق کرکے ہمارے لیے فراہم کر دیا تھا، محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابوالزناد، وغیرہ سیکڑوں تابعین ہیں جنہوں نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا، اور ہمارے سامنے اس کا انبار لگا دیا، شہاب زہری نے جو حدیث و سیرت کے بڑے امام ہیں، آنحضرت صلعم کی ایک ایک چیز کو لکھا، ابوالزناد کہتے ہیں کہ ہم صرف حلال و حرام لکھتے رہتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے وہ سب لکھتے جاتے تھے (جامع ۲۷) ابن کیسان کہتے ہیں کہ میں اور زہری طلب علم میں ساتھ تھے، میں نے کہا کہ میں سنن لکھوں گا چنانچہ جو کچھ آنحضرت صلعم سے متعلق تھا، سب لکھا، زہری نے کہا صحابہؓ سے جو کچھ متعلق ہے وہ بھی لکھو کہ وہ بھی سنت ہے میں نے کہا وہ سنت نہیں، چنانچہ میں نے نہیں لکھا انہوں نے لکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوئے اور میں برباد ہو گیا، (ابن سعد ۲ قسم ۲۔ صفحہ ۱۳۵) ان امور کو قیدِ تحریر میں لانے والے سیکڑوں تابعی تھے، جن میں سے ایک امام زہری ہیں، صرف ان کی تحریروں کا انبار اتنا تھا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری کے یہ دفتر جانوروں پر بار کر کے خزانہ سے لائے گئے تھے،

امام زہری ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴ھ میں وفات پائی، وہ نسباً قریشی تھے، انہوں نے جس محنت، کاوش اور استقصاء سے آنحضرت صلعم کے حالات اور اقوال جمع کیے اس کا اندازہ مؤرخین کے اس بیان سے کرو، کہ وہ مدینہ منورہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جاتے، جوان، بڈھے، عورت، مرد جو مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جاکر آنحضرت صلعم کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے (تہذیب ترجمۂ زہری) اس زمانہ میں بکثرت صحابہؓ زندہ تھے، زہری کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے، اور یہ کل کے کل روز و شب آنحضرت صلعم کے اقوال، افعال اور احوال کی جمع و ترتیب، تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت میں مشغول تھے، یہی اُن کی زندگی کا کام تھا، اس کے سوا دنیا کے ہر کام سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے۔

غلط فہمی کا بڑا سبب یہ ہے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث و سیر کی تدوین و تحریر کا کام تابعین نے شروع کیا، اور تابعین ان کو کہتے ہیں جنہوں نے صحابہؓ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا، اور صحابہؓ کا زمانہ سو برس تک تقریباً رہا تو گویا تابعین کا عہد سو برس کے بعد شروع ہوا، اور اس طرح گویا تدوین و تحریر کے سلسلہ کا آغاز سو برس کے بعد ہوا۔ حالانکہ یہ تمام تر غلط ہے، تابعین ان کو کہتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلعم کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا، اور صحابہؓ کی زیارت کی اور ان سے مستفید ہوئے، اس سے کہ وہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ہوں، مگر زیارت کا موقع نہ ملا ہو، یا عہد نبویؐ کے آخر میں پیدا ہوئے، اس لیے آپ سے فیضیاب نہ ہوئے، یا آپ کی وفات (ربیع الاول ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے، وہ سب تابعین میں داخل ہیں، اس طرح سمجھئے تو معلوم ہوگا کہ تابعین کا عہد خود آپ کی زندگی ہی میں اور کم سے کم یہ کہ ۱۱ھ سے شروع ہو گیا تھا، اس لیے ۱۱ھ سے جو کام شروع ہوا اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں، کہ تابعین نے اس کام کا آغاز کیا، تابعین کا کارنامہ ہونے کے لیے ایک ایک صحابی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی ضرورت نہیں، اور نہ سو برس کا زمانہ گزارنے کی حاجت ہے، وہ تو تابعیت کا آخری عہد ہے، جس کے بعد تابعیت کے شرف کا خاتمہ ہوتا ہے، کیونکہ صحابہؓ کے وجود کا خاتمہ ہو گیا، جن کے دیدار کے شرف سے لوگ تابعی بنتے تھے، الغرض اس تفصیل سے ثابت ہوگا کہ یہ کہنا کس درجہ دھوکا ہے کہ مسلمانوں میں اخبار و سیر کی ترتیب کا کام سو برس کے بعد شروع ہوا۔

مسلمانوں میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کی ترتیب اور تدوین کے درحقیقت تین دور ہیں، اوّل جب ہر شخص نے صرف اپنے ذاتی معلومات کو یکجا کیا، دوسرا دور وہ آیا جب ہر شہر کے معلومات ایک جگہ فراہم کیے گئے، تیسرا دور وہ تھا جب تمام دنیائے اسلام کے معلومات اکٹھا کیے گئے، اور ان کو موجودہ کتابوں کی صورت میں جمع کیا گیا، پہلا دور غالباً ۱۰۰ھ تک قائم رہا، دوسرا دور ۱۵۰ھ تک رہا، اور تیسرا دور ۱۵۰ھ سے تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد تک قائم رہا، پہلا دور صحابہؓ اور اکابر تابعین کا تھا، دوسرا دور تبع تابعین کا، اور تیسرا دور امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ

امام احمد بن حنبل وغیرہ کا تھا، پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں میں ہے اور دوسرے دور کی کتابوں کا تمام مواد تیسرے دور کی کتابوں میں کھپا دیا گیا ہے، اور دوسرے اور تیسرے دور کی کتابوں کا سرمایہ آج ہزاروں اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے، اور دنیا کی تاریخ کا سب سے گراں بہا سرمایہ اور معتبر و مستند ذخیرہ ہے جس سے زیادہ مستند اور معتبر دنیا کی تاریخ کے خزانہ میں کوئی اور ذخیرہ نہیں۔

حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی نعمانیؒ کے بقول "اس قسم کی زبانی روایتوں کے قلمبند کرنے کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آیا ہے، یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کیے جاتے ہیں، تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں، جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے ہیں، جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑے زمانہ کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں"۔

"لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا، وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریکِ واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریکِ واقعہ تک تمام درمیانی راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کیے جائیں، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت میں آئے، کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے، یا نکتہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا، لیکن سیکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کیے، انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں"۔

یہ تو صرف روایت کے متعلق تھا، اصولِ تنقید اور درایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے اصول و قواعد الگ ترتیب دیئے اور بتایا کہ کیونکر اس حیثیت سے روایتوں کی تصحیح یا تغلیط کی جا سکتی ہے راویوں کی چھان بین اور تحقیق میں اس درجہ دیانتداری اور حق گوئی سے کام لیا کہ وہ واقعات آج اسلام کے مفاخر میں ہیں، راویوں میں بڑے بڑے خلفاء اور امراء بھی تھے، جن کی تلواروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، مگر محدثین نے نڈر ہو کر سب کی پردہ دری کی، اور ان کو وہی درجہ دیا جو اس بارگاہ میں ان کو مل سکتا تھا، امام وکیع بڑے محدث تھے، لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس احتیاط اور حق پسندی کی کوئی حد ہے؟۱

مسعودی ایک محدث ہیں ۱۵۴ھ میں ایک امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ ان کو اپنی تحریری یادداشت کے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی۲، یہی امام معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں، کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار جس کی قیمت آج دس ہزار گنی سے زیادہ ہے، صرف اس معاوضہ میں پیش کرنے چاہے کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عدل)، اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی اس کے متعلق خاموش رہیں، انہوں نے اشرفیوں کے اس تودے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ "میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا"۳ کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط، اور اس سے زیادہ دیانتداری کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام کچا پکا، صحیح اور غلط، قوی اور ضعیف، قابلِ قبول اور ناقابلِ قبول روایتوں کا انبار آج بھی دنیا کے سامنے موجود ہے، اور آج بھی انہی اصول کے مطابق ہر ایک واقعہ کی پوری تنقید کی جا سکتی ہے۔ اور کھرے کھوٹے کو الگ کیا جا سکتا ہے۔

حضرات! ان خشک تحقیقات میں میں نے آپ کا بڑا وقت لیا، آنحضرت صلعم کی سیرتِ مبارکہ کا تاریخی پہلو اب بڑی حد تک آپ کے سامنے آگیا ہوگا، اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کے حالات اور واقعات کا جو سرمایہ فراہم ہوا اس کے کیا کیا ماخذ قرار پائے، اور اس کو کس کس طرح ترتیب دیا گیا، سیرتِ مبارکہ کا سب سے اہم، سب سے مستند، سب سے زیادہ صحیح تو وہ حصہ ہے جس کا ماخذ خود قرآن پاک ہے، جس کی صحت اور معتبری میں دوست کیا دشمن بھی شک نہ کر سکے، آنحضرت صلعم کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء قبل نبوت کی زندگی، یتیمی، غربت، تلاشِ حق، نبوت، وحی، اعلان و تبلیغ، ہجرت، مخالفین کی دشمنی، ہجرت، لڑائیاں، وقائع، اخلاق، سب اس میں موجود ہیں، اور اس سے زیادہ معتبر تاریخی سیرت دنیا کے پردہ پر کوئی موجود نہیں ہے۔

۲- دوسرا ماخذ احادیث ہیں جو ایک لاکھ کے قریب ہیں، جن میں صحیح، غلط، کمزور الگ اور جعلی الگ ہیں، صحاح ستہ کا سرمایہ ہے جس کا ایک ایک واقعہ تولا اور پرکھا ہوا ہے، مسانید ہیں، جن میں سب سے ضخیم امام ابن حنبل کا مسند ہے جو چھ جلدوں میں ہے، اور ان میں سے ہر جلد کی ضخامت مصر کے بڑے باریک صفحہ کے ٹائپ میں پانچ پانچ سو صفحوں سے کم نہ ہوگی، اس میں ایک ایک صحابی کی روایتیں الگ الگ ہیں، ان مجموعوں میں آنحضرت صلعم کے حالات اور تعلیمات سب کچھ ملے جلے ہیں۔

۳- تیسرا ماخذ مغازی ہیں، یعنی وہ کتابیں جن میں زیادہ تر آنحضرت صلعم کے صرف غزوات اور لڑائیوں کا حال، اور ضمناً اور واقعات بھی موجود ہیں، ان میں مغازیِ عروہ بن زبیر المتوفی ۹۴ھ، مغازیِ زہری المتوفی ۱۲۴ھ، مغازی موسیٰ

۱؎ تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۳۰، ۲؎ ایضاً جلد ۶ صفحہ ۲۱۱، ۳؎ ایضاً جلد ۶ ص ۱۴۴۔

ابن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ، مغازی ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ، مغازی زیاد بکائی المتوفی ۱۸۳ھ، مغازی واقدی المتوفی ۲۰۷ھ وغیرہ قدیم ہیں۔

۴۔ چوتھا ماخذ عام تاریخ کی کتابیں ہیں، جن کا پہلا حصہ خاص آنحضرت صلعم کے سوانح پر ہے۔ ان میں سب سے زیادہ معتبر اور مبسوط طبقات ابن سعد اور تاریخ الرسل والملوک امام ابوجعفر طبری، تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری، تاریخ ابن حبان اور تاریخ ابن ابی خیثمہ بغدادی المتوفی ۲۹۹ھ وغیرہ ہیں۔

۵۔ آنحضرت صلعم کے معجزات اور روحانی کارناموں کا الگ دفتر ہے، جن کو کتب دلائل کہتے ہیں، مثلاً دلائل النبوت ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ، دلائل النبوت ابواسحاق حربی المتوفی ۲۵۵ھ، دلائل امام بیہقی المتوفی ۴۳۰ھ، دلائل ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ، دلائل مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ، دلائل ابوالقاسم اسمٰعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ، اور سب سے زیادہ مبسوط کتاب اس فن میں امام سیوطی کی خصائص کبریٰ ہے۔

۶۔ پانچواں ماخذ کتبِ شمائل ہیں، یعنی وہ کتابیں جو آنحضرت صلعم کے صرف اخلاق و عادات اور فضائل و معمولاتِ زندگی پر لکھی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلی اور سب سے مشہور کتاب امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ کی کتاب الشمائل ہے، جس کی بڑے بڑے علماء نے بیسیوں شرحیں لکھی ہیں، اور سب سے ضخیم اور بڑی کتاب اس فن کی کتاب الشفاء فی حقوق المصطفٰے قاضی عیاض کی اور اس کی شرح نسیم الریاض شہاب خفاجی کی ہے، اسی فن کی دوسری کتابیں شمائل النبی ابوالعباس مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ اور شمائل النور الساطع ابن المقری غرناطی المتوفی ۵۵۲ھ، اور سفر السعادہ مجدالدین فیروزآبادی المتوفی ۸۱۶ھ کی ہیں۔

۷۔ اس سے الگ وہ کتابیں ہیں جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حالات میں ہیں، جن میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ آنحضرت صلعم کے مقامی حالات اور ان مقامات کے نام و نشان ہیں، جن کو آنحضرت صلعم سے کوئی تعلق ہے، اس قسم کی کتابوں میں سب سے قدیم اخبار مکہ للازرقی المتوفی ۲۲۳ھ، اخبار مدینہ عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ، اخبار مکہ فاکہی، اخبار مدینہ ابن زبالہ وغیرہ ہیں

حضرات! میں نے سیرتِ مبارکہ کے تاریخی سرمایہ کا جو نقشہ آپ کے سامنے آج کے خطبہ میں پیش کیا ہے، اس سے موافق و مخالف ہر ایک کو اندازہ ہو سکتا ہے، کہ سیرتِ محمدیؐ کی تاریخی حیثیت کیا ہے، صرف اس زبانی حفظ اور تحریری یادداشت ہی پر محدثینِ سلف اور خلفائے اسلام نے قناعت نہیں کی، بلکہ اس فن کے بڑے بڑے اماموں کے لیے مغازی کی تعلیم کی غرض سے درسگاہوں اور مسجدوں میں حلقے قائم کیے، حضرت قتادہؓ انصاری صحابی تھے، ان کے پوتے عاصم بن عمر جو مغازی کے امام تھے اور جنہوں نے ۱۲۱ھ میں وفات پائی ہے، خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے پایۂ تخت دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھ کر اس کا درس دیتے تھے (تہذیب)

غرض آنحضرت صلعم کے عہد مبارک سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ میں، ہر ملک میں، ہر زبان میں، آپ کے واقعات، حالات اور ارشادات میں جو کتابیں لکھی گئیں، ان کا اندازہ کئی ہزار سے زیادہ ہوگا۔ اردو کا تحریری ذخیرہ سو دو سو برس سے زیادہ کا نہیں، اس میں بھی خصوصی تصنیف کا عہد ۱۸۵۷ء کے پس و پیش سے شروع ہوتا ہے، تاہم اس وقت تک کئی سو چھوٹی بڑی کتابیں اس موضوع پر اس میں لکھی جا چکی ہیں۔

مسلمانوں کو چھوڑو کہ ان کا تو دین و ایمان ہی اس سرکار کی عقیدت و غلامی ہے، دشمنوں کے کیمپ میں آؤ، ہندوستان میں ہندوؤں نے، سکھوں نے، عیسائیوں نے، برہمو سماجیوں نے آپ کی سیرتیں لکھی ہیں، یورپ جس کو سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ کے ساتھ عقیدت نہیں، وہاں بھی مشنری کی خدمت کے لیے یا علمی ذوق، یا تاریخِ عالم کی تکمیل کے لیے لائف آف محمدؐ پر کتابیں لکھی گئیں، آج سے غالباً ۱۶-۱۷ برس پہلے دمشق کے ایک علمی رسالہ المقتبس میں شمار چھپا تھا کہ اس وقت تک یورپ کی مختلف زبانوں میں پیغمبر اسلامؐ کے متعلق ۱۳ سو کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اس کے بعد اس عہد کی اور کتابوں کو ملاؤ تو یہ شمار کہاں تک پہنچے گا، انگریزی زبان میں پروفیسر مارگولیس (D. S. Margoliouth) جو اوکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر ہیں، کی کتاب محمدؐ ہے جو ۱۹۰۵ء میں ہیروز آف دی نیشنس کے سلسلہ میں چھپی ہے، زیادہ زہریلی کوئی کتاب سیرت نبویؐ پر انگریزی میں نہیں لکھی گئی، اس میں اس شخص نے ہر واقعہ کے متعلق انتہائی سند بہم پہنچا کر اس کو بگاڑ کر دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے، تاہم وہ اپنے مقدمہ میں اس حقیقت کے اعتراف سے باز نہ رہ سکا۔

"محمدؐ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت ہے،"

The biographers of the Prophet Mohammed form a long series it is impossible to end but in which it would be honourable to find a place.

جان ڈیون پورٹ صاحب نے ۱۸۷۰ء میں انگریزی میں سب سے زیادہ ہمدردانہ کتاب "اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی قرآن" لکھی ہے، اس کتاب کو وہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں۔

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع عمری محمدؐ کے وقائع عمری سے زیادہ تر مفصل اور سچے ہوں"

ریورنڈ باسورتھ اسمتھ (B A SWORTH SMITH) فیلو آف ٹرینٹی کالج

اوکسفورڈ نے ۱۸۸۹ء میں "محمد اینڈ محمڈنزم" کے نام سے رائل انسٹیٹیوشن آف گریٹ برٹین میں جو لکچر دیئے تھے اور جو کتاب کی صورت میں چھپے ہیں، اس میں ریورنڈ موصوف نے نہایت خوبی سے کہا ہے:۔

"جو کچھ عام طور سے مذہب کی (ابتدا نامعلوم ہونے کی) نسبت صحیح ہے وہی بدقسمتی سے ان تین مذہبوں اور ان کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے جنکو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب سے تاریخی کہتے ہیں ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم، اور ان کی نسبت جنھوں نے ان کی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں، شاید زیادہ جانتے ہیں، ہم زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں، جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں، موسیٰ اور بودھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو ہم ایمبروس (AMBRASE) اور سیزر کے متعلق جانتے ہیں، ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے ہیں سے ٹکڑا جانتے ہیں، ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے، جس نے تین سال کے لیے راستہ تیار کیا جو کچھ ہم جانتے ہیں اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے، اور شاید اور بہت زیادہ کرے، ایک آئیڈیل لائف "جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی، ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی، لیکن اس کا کتنا حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی، ان کے ابتدائی احباب، اُن کے ساتھ اُن کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تدریجی، یا یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے، ہم تاریخ رکھتے ہیں، ہم محمدؐ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں، جس قدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں، میتھالوجی، فرضی افسانے اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں نہیں، یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کیے جا سکتے ہیں، کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو، یہاں پورے دن کی روشنی ہے، جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔ (ص ۱۴-۱۵ ۱۸۸۹ء)

آنحضرت صلعم کی سیرت کے بیان میں مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کتاب دوسرے انبیاء کی سیرتوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف، زیادہ معتبر اور زیادہ تاریخی ہے، سیرت و اخبار نبوی کی ابتدائی کتابیں، ہر مصنف نے سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے سُن کر اور پڑھ کر اور اُن کا ہر ایک حرف سمجھ کر دوسروں تک پہنچایا، حدیث کی پہلی کتاب موطا کو اس کے مصنف امام مالکؒ سے . . . ۱۰ آدمیوں نے سُنا جن میں سلاطینِ زمانہ علماء، فقہاء حکماء، ادباء، اور صوفیہ ہر طبقہ کے آدمی تھے، امام بخاری کی تصنیف جامع صحیح کو صرف ان کے ایک شاگرد فربری سے ساٹھ ہزار آدمیوں نے سُنا اس احتیاط، اس استناد، اور اس اہتمام سے بتاؤ کس شارع یا بانیِ دین کی سیرت و اخبار کا مجموعہ مرتب ہوا، اور یہ تاریخیت محمد رسول اللہ صلعم کے سوا اور کس کے حصہ میں آئی؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ

۴

کاملیّت

دوستو! آج کی گفتگو کا موضوع کاملیّت ہے کوئی زندگی خواہ کسی قدر تاریخی ہو، جب تک وہ کامل نہ ہو، ہمارے لیے نمونہ نہیں بن سکتی، کسی زندگی کا کامل اور نقص سے بری ہونا، اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس زندگی کے تمام اجزا ہمارے سامنے نہ ہوں، پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک اس کے زمانہ کے لوگوں کے سامنے، اور ان کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے ان کی زندگی کا کوئی مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جب وہ اپنے اہل وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر آیندہ کی تیاری میں مصروف ہوں۔

پیدائش، شیر خوارگی، بچپن، ہوش و تمیز، جوانی، تجارت، آمد و رفت، شادی، احباب قبل نبوت، قریش کی لڑائی اور قریش کے معاہدے میں شرکت، امین بننا، خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا، رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غار حرا کی گوشہ نشینی، وحی اسلام کا ظہور، دعوت، تبلیغ، مخالفت، سفر طائف، معراج، ہجرت، غزوات، حدیبیہ کی صلح، دعوت اسلام کے نامہ و پیام، اسلام کی اشاعت تکمیل دین حجۃ الوداع، وفات، ان میں سے کونسا زمانہ ہے جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں اور آپ کی کونسی حالت ہے جس سے اہل تاریخ ناواقف ہیں، سچ جھوٹ، صحیح غلط ہر چیز الگ الگ موجود ہے، اور اس کو ہر شخص جان سکتا ہے، کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ محدثین نے موضوع اور ضعیف روایتوں تک کو کیوں محفوظ رکھا، مگر خیال آیا کہ اس میں مصلحت الٰہی یہ تھی کہ معترضوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے بہت سی روایتوں کو غائب کر دیا، جیسا کہ آج عیسائی لٹریچر پر اعتراض کیا جاتا ہے، اس لیے ہمارے محدثینِ کرام نے، اپنے پیغمبر کے متعلق صحیح و غلط سارا مواد سب کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے، اور ان دونوں کے درمیان تفرقے بتا دیے ہیں، اور اصول مقرر کر دیے ہیں،

اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، دوست احباب، نماز روزہ دن رات کی عبادت، صلح و جنگ، آمد و رفت، سفر و حضر، نہانا دھونا، کھانا پینا، ہنسنا رونا، پہننا اوڑھنا، چلنا پھرنا، ہنسی مذاق، بولنا چالنا، خلوت جلوت، ملنا جلنا طور طریق، رنگ و بو، خط و خال، قد و قامت، یہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات

اور سرا پا و طہارت کے واقعات ہر چیز پوری روشنی میں مذکور، معلوم اور محفوظ ہے میں یہاں پر آپ کو شمائل نبوی کی صرف ایک قدیم ترین کتاب شمائل ترمذی کے ابواب پڑھ کر سناتا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے جزئی جزئی واقعات بھی کس طرح قلمبند کیے گئے ہیں،

۱- آنحضرت صلعم کے حلیہ اور صورت و شکل کے بیان میں۔
۲- آنحضرتؐ کے بالوں کے بیان میں ۳- آنحضرتؐ کے پکے ہوئے بالوں کے بیان میں
۴- 〃 کنگھی 〃 ۵- 〃 خضاب 〃
۶- آنحضرتؐ کے سرمہ لگانے کے بیان میں ۲۴- آنحضرتؐ کے گوشت اور سالن کے بیان میں
۷- 〃 لباس 〃 ۲۵ 〃 وضو کرنے 〃
۸- 〃 زندگی بسر کرنے 〃 ۲۶ 〃 آنحضرت صلعم کے کھانے کے پہلے اور پیچھے دعا پڑھنے کے بیان میں
۹ 〃 موزوں 〃
۱۰ 〃 پاپوش 〃
۱۱ 〃 خاتم (انگوٹھی) ۲۷ 〃 پیالہ 〃
۱۲ 〃 تلوار 〃 ۲۸ 〃 میوہ 〃
۱۳ 〃 زرہ 〃 ۲۹ 〃 کیا کیا پیتے تھے 〃
۱۴ 〃 آنحضرت صلعم کے خود کے بیان میں 〃 ۳۰ 〃 کیسے پیتے تھے 〃
۳۱ 〃 خوشبو لگانے 〃
۱۵ 〃 عمامہ 〃 ۳۲ 〃 باتیں کرنے 〃
۱۶ 〃 پائجامہ 〃 ۳۳ 〃 شعر پڑھنے 〃
۱۷ 〃 رفتار 〃 ۳۴ 〃 رات کے باتیں کرنے اور قصہ کہنے 〃
۱۸ 〃 منہ پر کپڑا ڈالنے 〃
۱۹ 〃 نشست 〃 ۳۵ 〃 سونے 〃
۲۰ 〃 تکیہ و بستر 〃 ۳۶ 〃 عبادت 〃
۲۱ 〃 تکیہ لگانے 〃 ۳۷ 〃 خندہ و تبسم 〃
۲۲ 〃 کھانے 〃 ۳۸ 〃 مزاح 〃
۲۳ 〃 روٹی 〃 ۳۹ 〃 چاشت کی نماز 〃
۴۰ آنحضرت صلعم کے گھر میں نفل پڑھنے کے بیان میں ۴۶- آنحضرت صلعم کے اخلاق کے بیان میں
۴۷ 〃 حجامت 〃
۴۱ 〃 روزے 〃 ۴۸ 〃 اسمائے گرامی 〃
۴۲ 〃 قرآن پڑھنے 〃 ۴۹ 〃 زندگی کی صورت حال 〃
۴۳ 〃 گریہ و بکا 〃 ۵۰ 〃 سن و سال اور عمر 〃
۴۴ 〃 بستر 〃 ۵۱ 〃 وفات 〃
۴۵ 〃 تواضع 〃 ۵۲ 〃 میراث متروکہ 〃

یہ آپ کے تمام ذاتی حالات ہیں، ان میں سے ہر ایک عنوان کے متعلق کہیں چند، کہیں بکثرت واقعات ہیں، اور ان میں سے ہر پہلو صاف اور روشن ہے آنحضرت صلعم کی زندگی کا کوئی لمحہ پردہ میں نہ تھا، اندر آپ بیویوں اور بال بچوں کے مجمع میں ہوتے تھے، باہر معتقدوں اور دوستوں کی محفل میں،

دوستو! بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنے گھر میں معمولی آدمی ہوتا ہے، اسی لیے والٹیر کے مشہور فقرہ کے مطابق کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں ہو سکتا (NO MANiS AHERO TOH iSVALET) باسورتھ اسمتھ کی رائے میں کم از کم یہ اصول پیغمبر اسلامؐ کے متعلق صحیح نہیں[لہ] گبن نے لکھا ہے کہ وہ تمام پیغمبروں میں سے کسی نے اپنے پیروؤں کا اس قدر سخت امتحان نہیں لیا، جس قدر محمدؐ نے، انہوں نے دفعتہً اپنے کو سب سے پہلے ان لوگوں کے سامنے بحیثیت پیغمبر کے پیش کیا، جو ان کو بحیثیت انسان کے بہت اچھی طرح جانتے تھے، اپنی بیوی، اپنے غلام، اپنے بھائی اپنے سب سے واقفکار دوست کے سامنے اور ان سب نے بلا پس و پیش آپ کے دعوی کی صداقت کو تسلیم کر لیا" بیوی سے بڑھ کر انسان کی اندرونی کمزوریوں کا واقفکار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، مگر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم کی صداقت پر سب سے پہلے آپ ہی کی بیوی ایمان لائیں؛ وہ نبوت سے پہلے پندرہ برس تک آپ کی رفاقت میں رہ چکی تھیں، اور آپ کے ہر حال اور ہر کیفیت کی نسبت ذاتی واقفیت رکھتی تھیں، بایں ہمہ جب آنحضرت صلعم نے پیغمبری کا دعوی کیا تو سب سے پہلے انہی نے اس دعوی کی سچائی کو تسلیم کیا،

بڑے سے بڑا انسان جو ایک ہی بیوی کا شوہر ہو وہ بھی یہ ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ اس کو یہ اذن عام دے دے کہ تم میری ہر بات، ہر حالت اور ہر واقعہ کو برملا کر دو اور جو کچھ چھپا ہے وہ سب پر ظاہر کر دو، مگر آنحضرت صلعم کی بیک وقت نو بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کو یہ اذنِ عام تھا کہ خلوت میں مجھ میں جو کچھ دیکھو، وہ جلوت میں سب سے برملا بیان کر دو، جو رات کی تاریکی میں دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کر دو جو بند کوٹھڑیوں میں دیکھو اس کو کھلی چھتوں پر پکار کر کہہ دو، اس اخلاقی وثوق و اعتماد کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟

یہ تو آنحضرت صلعم کے ذاتی احوال کے متعلق تھا، آپ کے اخلاقِ طاہرہ، اوصاف عالیہ، اور آدابِ فاضلہ کے بیان و تفصیل سے احادیث کی تمام کتابیں معمور ہیں خصوصیت کے ساتھ قاضی عیاض اندلسی کی کتاب الشفا اس پہلو سے بہترین کتاب ہے، ایک یورپین مستشرق نے فرانس میں مجھ سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلامؐ کے اصلی محاسن سے واقف ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ قاضی عیاض کی شفا کا کسی یورپین زبان میں ترجمہ کر دیا جائے

لہ باسورتھ اسمتھ کی کتاب لائف آف محمد پر خطبات صہ ۱۰۵،

سیرۃ نبوی کی دوسری جلد میں ہم نے شمائل کے تحت میں یہ ابواب قائم کیے ہیں۔

حلیۂ اقدس، مہرِ نبوت، موئے مبارک، رفتار، گفتار، خندہ و تبسم، لباس، انگوٹھی، خود و زرہ، غذا اور طریقۂ طعام، معمولاتِ طعام، خوش لباسی، مرغوب رنگ، نامرغوب رنگ، خوشبو کا استعمال، لطافت پسندی، سواری کا شوق۔

معمولات کے ماتحت حسبِ ذیل عنوانات ہیں۔

صبح سے شام تک معمولات، خواب، عبادتِ شبانہ، معمولاتِ نماز، معمولاتِ خطبہ، معمولاتِ سفر، معمولاتِ جہاد، معمولاتِ عیادت و عزا، معمولاتِ ملاقات، عام معمولات۔

مجلسِ نبویؐ کے ماتحت عنوانات :۔

دربارِ نبوت، مجالسِ ارشاد، آدابِ مجلس، اوقاتِ مجلس، عورتوں کے لیے مخصوص مجالس، طریقہ ارشاد، مجالس میں شگفتگی، فیضِ صحبت، طرزِ بیان، خطبات کی نوعیت خطباتِ نبوی کی تاثیر۔

عبادات کے ماتحت عنوانات :۔

دعا اور نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، حج، ہمیشہ یاد الٰہی، خدا کا ذوق و شوق، میدانِ جنگ میں یادِ الٰہی، خشیتِ الٰہی، گریہ و بکا، محبتِ الٰہی، خدا پر توکل، صبر و شکر۔

اخلاقِ نبویؐ کی تفصیلی جزئیات :۔

اخلاقِ نبوی کا جامع بیان، استقامتِ عمل، حسنِ خلق، حسنِ معاملہ، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار، مہمان نوازی، گداگری سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، تحفہ قبول کرنا، کسی کا احسان نہ قبول کرنا، عدمِ تشدد، تقشف ناپسند تھا، عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی۔ سادگی اور بے تکلفی، امارت پسندی اور دکھاوے سے پرہیز، مساوات، تواضع، بیجا تعظیم اور مدح کی ناپسندیدگی، شرم و حیا، اپنے ہاتھ سے کام کرنا، عزم و استقلال، شجاعت، راست گفتاری، ایفائے عہد، زہد و قناعت، عفو و حلم، دشمنوں سے عفو و درگزر اور حسنِ سلوک، کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ، یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، غریبوں کے ساتھ محبت و شفقت، دشمنانِ جانی سے عفو و درگزر، دشمنوں کے حق میں دعائے خیر، بچوں پر شفقت، مستورات کے ساتھ برتاؤ، حیوانات پر رحم، رحمت و محبتِ عام، رقیق القلبی، عیادت و تعزیت، لطفِ طبع، اولاد سے محبت، ازواجِ مطہرات کے ساتھ سلوک،

حافظ ابنِ قیمؒ نے زاد المعاد میں سب سے زیادہ آپکے حالات کا استقصاء کیا ہے چنانچہ صرف ذاتی حالات کی فہرست سنیئے

آپ کا طریقۂ رسل و رسائل، آپکے کھانے پینے کا طریقہ، آپ کے نکاح اور ازدواجی تعلقات کا طریقہ، خواب و بیداری کا طریقہ، سواری کا طریقہ، لونڈی اور غلام کو اپنی خدمت کے لیے قبول فرمانے کا طریقہ، آپ کے معاملات اور خرید و فروخت کا طریقہ، حوائج ضروری کے آداب، اصلاح اور خط بنوانے کا طریقہ، مونچھوں کے رکھنے، اور ترشوانے میں آپ کا طریقہ، آپ کا طرزِ کلام، آپ کی خاموشی، آپ کا خندہ فرمانا، آپ کا رونا، آپ کا طریقۂ خطابت، طریقۂ وضو، موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ، طریقۂ تیمم، آپ کے نماز ادا کرنے کا طریقہ، آپ کا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا طریقہ، آپ کے سجدہ کرنے کا طریقہ، قعدۂ اخیر میں آپ کی نشست کی کیفیت، آپ کی نماز میں بیٹھنے اور تشہد کے وقت انگلی اُٹھانے کا طریقہ، آپ کا نماز میں سلام پھیرنے کا طریقہ، نماز میں آپ کا دعا فرمانا، آپ کے سجدۂ سہو کرنے کا طریقہ، آپ کا نماز میں سترہ کھڑا کرنے کا طریقہ، سفر و حضر، مسجد اور گھر میں آپکے سنن و نوافل پڑھنے کا طریقہ، تہجد یا فجر کی سنت کے بعد آپ کی استراحت کا طریقہ، آپکے تہجد پڑھنے کا طریقہ، رات کی نماز اور وتر پڑھنے کا طریقہ، آپ کا وتر کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ، آپکے قرآن پڑھنے کی کیفیت، آپ کی چاشت کی نماز کا طریقہ، آپ کے سجدۂ شکر بجالانے کا طریقہ، آپ کے سجدۂ قرآن ادا کرنے کا طریقہ، آپ کے جمعہ کے معمولات، آپ کے جمعہ کے دن کی عبادات کا طریقہ، آپ کے خطبہ دینے کا طریقہ، صلوٰۃ عیدین میں آپکا طریقہ، سورج گرہن کے وقت آپ کے نماز پڑھنے کا طریقہ، استسقاء میں آپکا طریقہ، آپکے سفر کا طریقہ، سفر میں آپکے نفل پڑھنے کا طریقہ، آپکے دو نمازوں کو اکٹھی پڑھنے کا طریقہ، آپکے قرآن پڑھنے اور سننے کا طریقہ، بیماروں کی عیادت میں آپ کا طریقہ، جنازوں کے متعلق آپ کا طریقہ۔ جنازوں کے ساتھ آپ کے تیز قدم اُٹھانے کا طریقہ آپ کا میت پر کپڑا ڈالنے کا طریقہ، کسی میت کے آنے پر اس کے متعلق آپکے سوال کرنے کا طریقہ، جنازہ کی نماز میں آپ کا طریقہ، چھوٹے بچوں پر نمازِ جنازہ پڑھنے میں آپ کا معمول، خودکشی کرنے والے اور جہاد کے مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے پر آپ کا نماز نہ پڑھنا، جنازہ کے آگے آگے آپ کے چلنے وغیرہ کا طریقہ، جنازہ غائب پر آپ کے نماز پڑھنے کا طریقہ، جنازہ کے لیے آپکے کھڑے ہونے کا طریقہ، تعزیت اور زیارتِ قبور میں آپ کا طریقہ، صلوٰۃ خوف میں آپ کا طریقہ، زکوٰۃ و صدقات میں آپ کا طریقہ، روزہ میں آپ کا طریقہ، آپ کا رمضان میں زیادہ عبادت کرنے کا طریقہ، چاند دیکھنے کے ساتھ ہی روزہ افطار کے متعلق آپ کا طریقہ۔ چاند دیکھنے کی گواہی قبول کرنے میں آپ کا طریقہ، سفر میں روزہ کے افطار کے متعلق آپ کا طریقہ، عرفہ کے دن عرفہ کی وجہ سے افطار فرمانے اور جمعہ، شنبہ، یکشنبہ میں آپ کے روزہ رکھنے کا طریقہ، آپ کے پے در پے روزہ رکھنے کا طریقہ۔ آپ کے نفل روزہ رکھنے اور اس کے ٹوٹ جانے پر ادا کرنے کو واجب نہ سمجھنے کا طریقہ، روزِ جمعہ کو روزہ کے لیے مخصوص کر لینے پر آپ کا کراہیت فرمانا، آپ کے اعتکاف کا طریقہ، حج و عمرہ میں آپ کا طریقہ، آپ کا ایک سال میں دو عمرہ ادا کرنے کا طریقہ۔ آپ کے حجوں کی کیفیت، آپ کا حج میں اپنے دستِ مبارک سے قربانی فرمانے کا طریقہ۔ آپ کا حج میں سر منڈانے کا طریقہ، ایامِ حج میں آپ کے خطبوں کا طریقہ۔ عید الاضحیٰ میں آپ کے قربانی کرنے کا طریقہ، عقیقہ میں آپ کا طریقہ، نومولود بچہ کے کان میں

آپ کے اذان دینے اور اس کا نام رکھنے اور اس کا ختنہ کرنے میں آپکے عادات، ناموں اور کنیتوں کے رکھنے میں آپ کا طریقہ، بولنے میں احتیاط اور الفاظ کے انتخاب میں آپ کا طریقہ، اذکار و وظائف میں آپ کا طریقہ، گھر میں داخلہ کے وقت آپ کا طریقہ، بیت الخلاء جانے اور وہاں سے واپس آنے کا طریقہ، آپ کے کپڑا پہننے کا طریقہ، وضو کی دعاء کے متعلق آپ کا طریقہ، اذان کے وقت الفاظ اذان کے دہراتے کے متعلق آپ کا طریقہ، رویتِ ہلال کے وقت آپ کے دعا فرمانے کا طریقہ، نماز کے پہلے اور اس کے بعد آپ کے دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ، آدابِ طعام میں آپ کا طریقہ، آدابِ سلام میں آپ کا طریقہ، آپ کا دوسروں کے گھر میں اجازت مانگ کر داخل ہونے کا طریقہ، آدابِ سفر میں آپ کے طریقے اور سفر میں دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ، نکاح کی دعاؤں کے متعلق آپ کا طریقہ، بعض الفاظ کے استعمال کو مکروہ سمجھنے میں آپ کی عادت، غزوات اور جہاد میں آپ کا طریقہ، قیدیوں کے متعلق آپ کا معمول، قیدی جاسوس اور غلام کے متعلق آپ کا معمول، صلح کرنے امان دینے، جزیہ مقرر کرنے اور اہلِ کتاب و منافقین کے ساتھ معاملات کرنے میں آپ کا طریقہ، کفار و منافقین کے ساتھ علی الترتیب، آپ کے برتاؤ کرنے کا طریقہ آپ کا امراضِ قلب اور امراضِ بدن کے علاج کرنے کا طریقہ۔

میں نے آپ کے سامنے جزئی جزئی باتوں کی اجمالی فہرست پیش کی ہے، اس سے آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو محفوظ رکھا گیا ہے، تو بڑی بڑی اہم باتوں کی کیا کچھ تفصیل موجود نہ ہوگی، غرض ایک انسان کی زندگی کے جس قدر پہلو ہو سکتے ہیں، وہ سب محفوظ اور مذکور رہیں۔

حضرات! اب آپ نے سمجھا ہوگا کہ کاملیت سے میرا کیا مقصود تھا، اور میرے اس دعوٰی کی کہ اس معیار پر سیرۃ محمدیؐ کے سوا انبیاء میں کسی کی سیرت محفوظ نہیں، صداقت آشکارا ہوگئی ہوگی۔

وقت کم ہے اور مضمون ابھی بہت باقی ہے، تاہم یہ مختصراً سن لیجیے کہ آنحضرت صلعم خواہ خلوت میں ہوں یا جلوت میں، مسجد میں ہوں، یا میدانِ جہاد میں، نمازِ شبانہ میں مصروف ہوں یا فوجوں کی درستی میں، منبر پر ہوں یا گوشۂ تنہائی میں، ہر وقت اور ہر شخص کو حکم تھا، کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو وہ سب منظرِ عام پر لائی جائے ازواجِ مطہرات رضؓ آپ کے خلوت خانوں کے حالات سنانے اور بتانے میں معروف رہیں، مسجدِ نبویؐ میں، ایک چبوترہ ان عقیدت مندوں کے لیے تھا، جن کے رہنے کو گھر نہ تھے، وہ باری باری سے دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اس سے روزی حاصل کرتے اور سارا وقت آپ کے ملفوظات سننے، آپ کے حالات دیکھنے اور آپ کی معیت میں گزارنے کے لیے صرف کرتے تھے۔ ان کی تعداد ستر کے قریب تھی، انہی میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ ہیں۔ جن سے زیادہ کسی صحابی کی روایات نہیں، یہ ستر ہستیاں منتقد جاسوسوں کی طرح شب و روز، ذوق و شوق کے ساتھ آپ کے حالات دیکھنے اور دوسروں سے ان کو بیان کرنے میں مصروف رہتی تھیں۔ دن میں پانچ وقت مدینہ میں رہنے والی تمام آبادی دس برس تک متصل آپ کی ایک ایک حرکت و سکون اور ایک ایک جنبش کو دیکھتی رہی، غزوات اور لڑائیوں کے موقع پر ہزارہا صحابہؓ کو شب و روز آپکے دیکھنے اور آپکے حالاتِ مبارکہ سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا، غزوۂ فتح میں ۱۰ ہزار، تبوک میں ۳۰ ہزار اور حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ صحابہؓ کو آپ کی زیارت کے موقعے ملتے رہے اور خلوت و جلوت، گھر اور باہر، صفہ اور مسجد، حلقۂ تعلیم اور میدانِ جنگ تک میں جس نے جس حال میں آپ کو دیکھا اس کی عام اشاعت کی نہ صرف اس کو اجازت، بلکہ حکم اور تاکید تھی۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا کونسا پہلو ہوگا، جو زیرِ پردہ رہا ہوگا۔ اور اس پر بھی ایک شخص تک آپ پر خردہ گیری نہ کر سکا، آج بھی آپ کے دشمن اور مخالف پوری چھان بین اور تلاش و جستجو کے بعد مسئلہ جہاد اور تعدادِ ازدواج کے سوا آپ پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے تو اب ایسی زندگی کو معصوم اور بے گناہ کہنا زیبا ہے، یا ان زندگیوں کو جن کا بڑا حصہ ہماری نگاہوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہے!

ایک حیثیت سے اور غور فرمائیے، آنحضرت صلعم ہمیشہ صرف اپنے معتقدوں ہی کے حلقہ میں نہیں رہے، بلکہ مکہ میں قریش کے مجمع میں رہے؛ نبوت سے پہلے ۴۰ برس آپ کی زندگی انہی کے ساتھ گزری، اور پھر تاجرانہ زندگی، لین دین کی زندگی، معاملہ اور کاروبار کی زندگی جس میں قدم قدم پر بدمعاملگی، بدنیتی، خلاف وعدگی اور خیانت کاری کے عمیق غار آتے ہیں، مگر آپ اس طرح بے خطر اس راستہ سے گزر گئے کہ آپ کو ان سے آمین کا خطاب حاصل ہوا، نبوت کے بعد بھی لوگوں کو آپ پر یہ اعتماد تھا کہ امانتیں آپ ہی کے پاس رکھواتے تھے، چنانچہ ہجرت کے موقع پر حضرت علیؓ کو اسی لیے مکہ میں چھوڑا تاکہ آپ کے بعد وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر سکیں، آپ کے دعوائے نبوت پر تمام قریش نے برہمی ظاہر کی، مقاطعہ کیا۔ دشمنیاں ظاہر کیں، گالیاں دیں، راستے روکے، نجاستیں ڈالیں، پتھر پھینکے، قتل کی سازشیں کیں، آپ کو ساحر کہا، شاعر کہا، مجنون کہا، مگر کسی نے یہ جرأت نہ کی کہ آپ کے اخلاق اور اعمال کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکال سکے، حالانکہ نبوت اور پیغمبری کے دعوٰی ہی کے یہ معنی ہیں کہ مدعی اپنے بے گناہی اور معصومیت کا دعوٰی کر رہا ہے، اس دعوٰی کے ابطال کے لیے آپ کے اخلاق و اعمال کے متعلق چند مخالفانہ شہادتیں بھی کافی تھیں، تاہم اس دعوٰی کے توڑنے کے لیے انہوں نے اپنی دولت لٹائی، اپنی اولاد کو قربان کیا، اپنی جانیں دیں، لیکن یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ آپ کی ذات پر معمولی خردہ گیری کر کے بھی اس کو باطل کر سکیں، کیا اس

سے نہیں ثابت ہوتا کہ جو آپ دوستوں کی نظر میں تھے، وہی دشمنوں کی نگاہ میں بھی تھے، اور کوئی چیز زیر پردہ اور نامعلوم نہ تھی،

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رئیس جلسہ جمائے بیٹھے تھے، اور آپ کا ذکر ہو رہا تھا، نضر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا، کہا "اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے، تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے، محمد تمہارے سامنے بچپن سے جوان ہوا، وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، سچا اور امانت دار تھا اور اب جب اس کے بالوں میں سفیدی آچلی، اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو، کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے، خدا کی قسم میں نے اس کی باتیں سنی ہیں، محمد میں یہ کوئی بات نہیں"، (ابن ہشام)

آپ کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل کہا کرتا تھا "محمد! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ تم جو کچھ کہتے اور سمجھاتے ہو اس کو صحیح نہیں سمجھتا"۔ چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے، (ترمذی تفسیر انعام)

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ	ہم جانتے ہیں کہ ان (کافروں) کی باتیں تم کو
الَّذِیْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ	(اے پیغمبر) غمگین کرتی ہیں، تو یہ لوگ تم کو نہیں
وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار
يَجْحَدُوْنَ ۔ (انعام ۴)	کرتے ہیں،

جب آنحضرت صلعم کو پیشگاہ الٰہی سے حکم ہوا کہ اپنے خاندان کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو، تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا، "یا معشر قریش!" جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا" سب نے کہا ہاں! "کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا"۔ (بخاری شریف سورۂ تبت)

قیصر روم کے دربار میں قاصد نبویؐ پہنچا ہے، کفار قریش میں آنحضرت صلعم کے سب سے بڑے حریف اور مقابل ابوسفیان جو چھ برس متواتر آپ کے مقابلہ میں فوجوں کے پرے جماتے رہے، وہ آنحضرت صلعم کی تصدیق حال اور تفتیش کے لیے بلائے جاتے ہیں، موقع کی نزاکت پر غور کرو ایک دشمن کی شہادت اپنے ایک ایسے دشمن کے حق میں ہے جس کو وہ دل سے مٹا دینا چاہتا ہے، ایک ایسے باسروسامان بادشاہ کے دربار میں اس کی شہادت ہے کہ اگر اس کو راضی کر لیا جائے تو روم کے دم میں اس کی فوجیں مدینہ کی سمت بڑھ سکتی تھیں، تاہم اس سوال و جواب کو دیکھئے

قیصر	ابوسفیان
مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے	شریف ہے
" اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے	" نہیں
" اس خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے۔	" نہیں
" جن لوگوں نے اس کے مذہب کو قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر۔	" کمزور لوگ ہیں
" اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں	" بڑھتے جاتے ہیں
" کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے	" نہیں
" وہ کبھی اپنے عہد و اقرار سے بھی پھرا ہے	" ابھی تک تو نہیں مگر آئندہ دیکھیں
" وہ کیا سکھاتا ہے	" کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، اہل قرابت کا حق ادا کرو،

کیا اس سے زیادہ نازک موقع کی شہادت سوائے سیرت محمدیؐ کے اور کہیں دستیاب ہو سکتی ہے اس سے زیادہ آپ کی کاملیت کی کیا دلیل ہو سکتی ہے۔!

ایک نکتہ کی طرف آپ کی توجہ کو اور ملتفت کرنا ہے، آنحضرت صلعم پر جو لوگ ابتداءً ایمان لائے وہ دریا کنارے کے ماہی گیر نہ تھے، وہ مصر کی محکوم اور غلام قوم کے افراد نہ تھے، بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے، جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھی، اور جس نے ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی، وہ لوگ تھے جن کے تجارتی کاروبار، ایران، شام، مصر اور ایشیائے کوچک تک پھیلے تھے، ان میں وہ لوگ تھے جن کی دقیقہ سنجی، نکتہ رسی اور عقل و ذہانت کے ثبوت، مسائل اور احکام کی صورت میں آج بھی موجود ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں کا فاتحانہ مقابلہ کیا اور دنیا کے مشہور سپہ سالاروں میں داخل ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ملکوں پر فرمانروائیاں کیں اور حکومت کے نظم و نسق کی بہترین قابلیت کا اظہار کیا، کیا ایک لمحہ کے لیے بھی کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے پرزور اور قوی بازو اور دانایانِ روزگار سے آنحضرت صلعم کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا، اور وہ دھوکا کھا سکتے تھے، بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی ایک ایک جنبش کی نقل کی ہے، اور جو آپ کے ایک ایک نقش قدم پر چلنا اپنی سعادت سمجھتے تھے، یہ آپ کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔

آنحضرت صلعم نے اپنے حالات و واقعات پر کبھی کوئی پردہ ڈالنے کی کوشش

نہیں کی آپ جس طرح تھے اسی طرح سب کو معلوم تھے، اور اسی طرح اب تک ہیں حضرت عائشہ آپ کی زوجہ محترمہ جو نو برس آپ کے ساتھ رہیں فرماتی ہیں جو تم سے یہ بیان کرے کہ محمد نے خدا کے احکام میں سے کچھ چھپا لیا، اور مخلوق پر ظاہر نہیں کیا، تو اس کو سچ نہ جانیو کہ خدا فرماتا ہے، (صحیح بخاری تفسیر آیت ذیل)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ — اے پیغمبر! خدا کی طرف سے تجھ پر جو کچھ اترا
مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا — وہ لوگوں تک پہنچا دے اگر تو نے ایسا نہ کیا
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ، (مائدہ - ۱۰) — تو تو نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا،

دنیا میں کوئی شخص نہیں چاہتا کہ اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ کمزوری کا بھی بے خطر ہو کر اعلان کردے، خصوصاً وہ جو ایک جماعت کی رہبری و رہنمائی اور وہ بھی روحانی و اخلاقی کر رہا ہو، لیکن قرآن مجید میں متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں آنحضرت صلعم کو ان کی ظاہری لغزشوں پر تنبیہ کی گئی ہے، تاہم ان میں سے ہر آیت آپ نے پڑھ کر سنائی لوگوں نے یاد کی، ہر محراب و مسجد میں پڑھی گئی، اور اب تک جہاں محمد صلعم کا نام ہے، وہ آیتیں ان کے ماننے والوں کی زبانوں پر ہیں، حالانکہ اگر ان معمولی فروگذاشتوں کا قرآن پاک میں ذکر نہ ہوتا تو آج دنیا کو ان کا علم بھی نہ ہوتا، مگر ایک پاک زندگی کی ہر چیز روشن ہونی تھی، اور وہ کی گئی،

آنحضرت صلعم کا اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جہلائے عرب کے نزدیک قابل اعتراض تھا، اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں بتصریح مذکور ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلعم خدا کی کسی وحی کو چھپا سکتے تو اس آیت کو ضرور چھپا دیتے (جس میں اس نکاح کا تذکرہ ہے) مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۲۳۳) تاکہ جاہلوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے اگر آنحضرت صلعم نے ایسا نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلعم کی زندگی کا کوئی پہلو تاریک نہیں رہا ہے۔

باسورتھ اسمتھ صاحب کی یہ شہادت پیش کرنے کے لائق ہے،

"یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے شخصیت کی تاریک گہرائیاں درحقیقت ہیں اور ہماری پہنچ کے خطہ سے باہر وہ ہمیشہ رہیں گی، لیکن ہم محمد کی بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں، ان کی جوانی، ان کا ظہور، ان کے تعلقات ان کے عادات، ان کا پہلا تخیل، اور تدریجی ترقی، ان کی عظیم الشان وحی کا نوبت بنوبت آنا، اور ان کی اندرونی تاریخ کے لیے اس کے بعد کہ ان کے مشن کا اعلان کیا جا چکا ہم ایک کتاب (قرآن) رکھتے ہیں، جو اپنی اصلیت میں اپنے محفوظ رہنے میں، اپنے مضامین کی بے ترتیبی میں بالکل یکتا ہے لیکن اس کی جوہری صداقت میں کوئی شخص کبھی سنجیدہ شک نہ کر سکا اگر کوئی کتاب ہم ایسی رکھتے ہیں جو اپنے زمانہ کے ماسٹر اسپرٹ کا آئینہ ہو تو یہ کتاب ہے، عموماً تصنع اور بناوٹ سے پاک، غیر مرتب متضاد تھکا دینے والی ہے لیکن چند عظیم الشان خیالات سے معمور، ایک دماغ جو اس روحانیت سے لبریز، جو اس کے اندر بند ہے، خدا کے نشہ میں مست و سرشار، لیکن انسانی کمزوریوں کے ساتھ جن سے پاک ہونے کا کبھی انہوں نے دعویٰ نہیں کیا، اور یہ محمد کی آخری عظمت ہے، کہ انہوں نے ان سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، (ص ۱۵)

گبن کے الفاظ میں کسی ابتدائی پیغمبر نے کبھی صداقت کا کوئی ایسا سخت امتحان پاس نہیں کیا، جیسا کہ محمد نے جبکہ اس نے پہلے پہل اپنے کو بحیثیت پیغمبر کے ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جو اس کی کمزوریوں سے بحیثیت ایک انسان ہونے کے واقف تھے، وہ لوگ جو اس سے سب سے زیادہ واقف تھے، ان کی بیوی، ان کا نفلی غلام، ان کا چچازاد بھائی ان کا سب سے پرانا دوست جس نے جیسا کہ محمد نے خود کہا ہے، کہ اس کے پیرووں میں وہی ایک ہے جس نے نہ پشت پھیری، اور نہ گھبرایا، یہی لوگ اس کے سب سے پہلے معتقد ہوئے پیغمبروں کی عام قسمت محمد کے حق میں بالکل اُلٹ گئی، وہ غیر معزز نہ تھا، لیکن ان کے نزدیک جو اس سے واقف نہ تھے (۱۰۸ - اسمتھ)

ان شہادتوں کا یہ مطلب ہے کہ جو جس قدر آنحضرت صلعم کے حالات سے واقف تھا، اسی قدر زیادہ وہ ان کا عقیدتمند تھا، عام پیغمبروں کا یہ اصول ہے پہلے ان کو نا واقفوں نے مانا ہے، تب جا کر گھر والوں کی باری آئی ہے، لیکن آنحضرت صلعم کا سانحہ حیات اس سے بالکل مختلف ہے، آپ کو سب سے پہلے انہوں نے مانا جو آپ کے اخلاق، عادات اور خیالات سے زیادہ واقف تھے، اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے ایمان و اعتقاد کا شدید خطرناک امتحان دیا ہے حضرت خدیجہ تین برس تک آپ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہیں جس میں بھوک اور فقر و فاقہ سے دوچار ہونا پڑا، حضرت ابوبکر صدیق نے اس وقت جب ہر چہار طرف دشمن تعاقب میں تھے، رات کی تاریکی میں آپ کے ساتھ غار کی رفاقت کا حق ادا کیا، حضرت علی نے اس بستر پر قدم رکھا جو صبح کو مقتل بننے والا تھا حضرت زید غلام خاص وہ تھے جو رہتے تھے پر اپنے باپ کے اصرار پر بھی اپنے روحانی باپ سے مفارقت گوارا نہ کی،

گاڈفری ہگنس اپالوجی فار محمد میں کہتا ہے،

عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلعم) کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیرووں میں پیدا کر دیا تھا جس کو عیسیٰ کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا

بے سود ہے ——— جب عیسیٰؑ کو سولی پہ لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے، ان کا نشۂ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتداء کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے ——— برعکس اس کے محمد صلعم کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے، اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کر دیا، (ترجمہ اردو ص ۲۸ و ۷۸ مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء)

احد کے مشہور معرکہ میں جب قریش کے تیغ زنوں نے آپ پر یورش کی اور مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہوئیں تو آپ نے آواز دی کہ کون مجھ پر جان دیتا ہے"؟ اس آواز کو سن کر دفعتہ سات انصاری نکل آئے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں، ایک انصاری خاتون کے باپ، بھائی، اور شوہر تینوں پیاری جانیں اس معرکہ میں تصدق ہوئیں، باری باری یہ سخت حادثوں کی صدائیں اس کے کانوں میں پڑتی ہیں، اور وہ ہر بار صرف یہ پوچھتی جاتی ہے کہ وہ جانِ عالم رسول اللہ صلعم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں، اس نے پاس آکر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی کل مصیبة بعدك جلل یا رسول الله، " تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں،

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

دوستو! یہ محبت یہ عشق، یہ جان نثاری ان میں تھی جو آپ کو ہر طرح اور ہر حیثیت سے جانتے تھے، کیا ایسے شخص کے ساتھ جس کی زندگی اس کے ساتھیوں اور رفیقوں کی نگاہ میں کامل نہ ہو اس لائق ہو سکتی ہے کہ اس پر وہ جانیں قربان کریں، اس سے زیادہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیغمبر کی زندگی کو ان کے لیے نمونہ بنایا، اور اس کی پیروی کو خدا کی محبت کا ذریعہ بنایا،

إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ، (آل عمران ۔۴) اے لوگو! اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو میری اتباع کرو، تو خدا تم کو پیار کرے گا۔

آپ کی اتباع کو یعنی آپ کی زندگی کی نقل و عکس کو خدا کی محبت کا معیار بتایا ایک لمحہ کے لیے نشۂ دینی سے سرمست ہو کر اپنی جان دینا آسان ہے، مگر پوری عمر ہر چیز میں، ہر حالت میں، ہر کیفیت میں آپ کی اتباع کے پل صراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی بات میں سنتِ محمدیؐ سے قدم ادھر ادھر نہ ہو، سب سے مشکل امتحان ہے، اس سے اتباع کے امتحان میں تمام صحابہ پورے اترے، اور اسی جذبہ نے صحابہؓ تابعین، تبع تابعین، محدثین، مورخین، اور ارباب سیر کا یہ اہم فرض قرار دیا ہے، کہ وہ آپ کی ایک ایک بات، ایک ایک چیز، ایک ایک جنبش کو معلوم کریں، پچھلوں کو بتائیں

تاکہ اپنے اپنے امکان بھر ہر مسلمان اس پر چلنے کی کوشش کرے، اس نکتہ سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت صلعم کی زندگی اس کے جاننے والوں کی نگاہ میں پوری کامل تھی، تب ہی تو اس کی نقل کو انہوں نے کمال کا معیار یقین کیا۔

اسلام کی نگاہ میں آپ کی حیات ایک مسلمان کے لیے کامل نمونہ ہے، اس لیے اس نمونہ کے تمام پہلو سب کے سامنے ہونے چاہئیں، اور وہ سب کے سامنے ہیں اسی سے ثابت ہوگا کہ آپ کی زندگی کے سلسلہ کی کوئی کڑی گم نہیں ہے، کوئی واقعہ زیر پردہ نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ تاریخ کے صفحات میں آئینہ ہے، اور یہی ایک ذریعہ کسی زندگی کے کامل، معصوم اور بے گناہ یقین کرنے کا ہے، نیز ایسی ہی زندگی جس کے ہر پہلو اس طرح روشن ہوں، انسان کے لیے نمونہ کا کام دے سکتی ہے۔

دنیا میں بابل و اسیریا و ہندوستان و چین، مصر و شام، یونان و روم میں بڑے بڑے تمدن پیدا ہوئے، اخلاق کے بڑے بڑے نظریئے قائم کیے گئے، تہذیب و شائستگی کے بڑے بڑے اصول بنائے گئے، اٹھنے بیٹھنے، کھاتے پینے، ملنے جلنے، پہننے اوڑھنے رہنے سہنے، سونے جاگنے، شادی بیاہ، مرنے جینے، غم و مسرت، دعوت و ملاقات، مصافحہ و سلام، غسل و طہارت، عیادت و تعزیت، تبریک و تہنیت، دفن و کفن کے بہت سے رسوم، آداب، شرائط، اور ہدایات مرتب ہوئے، اور ان سے ان قوموں کی تہذیب، تمدن اور معاشرت کے اصول بنائے گئے۔ یہ اصول صدہا سال میں بنے، پھر بھی بگڑ گئے، صدیوں میں ان کی تعمیر ہوئی، تاہم وہ فنا ہو گئے، لیکن اسلام کا یہ تمدن چند برسوں میں بنا اور تعمیر ہوا اور ۱۳ سو برس سے کل روئے زمین کی سینکڑوں مختلف اقوام میں یکسانی کے ساتھ قائم ہے، کیونکہ اس کا ماخذ ایک ہے، اور وہ محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی ہے، اس زندگی کے آئینہ میں صحابہؓ نے اپنی زندگیاں سجائیں، اور اُن کا عکس تابعین نے اتارا، اور اس طرح وہ تمام دنیائے اسلام کا عمل اور رسم بن گئی، وہ مقدس زندگی مرکزی نقطہ تھی، صحابہؓ نے اس کو خط اور بعد کی نسلوں نے اس کو دائرہ بنا دیا، وہ تمدن آج گو کامل نہیں مگر اس کے نقش قدم اب بھی ہیں، اور اسی پر کل مسلمان چل رہے ہیں، ایک محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی تھی، جو تمام صحابہؓ کی زندگی بن گئی، اور وہی کبھی دنیائے اسلام کی زندگی بن گئی تھی، اور وہ کامل تصویر آج بھی ہم میں موجود ہے، افریقہ یا ہندوستان کا کوئی قبیلہ جب آج عیسائی ہوتا ہے، تو اس کو مذہب گو انجیل سے لیکن تمدن و تہذیب اور عملی زندگی کا سبق یورپ کے ساختہ تمدن سے سکھایا جاتا ہے، لیکن وحشی سے وحشی قبیلہ جو مسلمان ہوتا ہے اس کو جہاں سے مذہب ملتا ہے، وہیں سے تمدن و تہذیب اور شائستگی کا سبق بھی ملتا ہے، مسلمان ہونے کے ساتھ پیغمبر اسلام کی پوری زندگی، انسانی ضروریات اور حالات کے ساتھ اس کے سامنے آجاتی ہے، اور یہ بولتی چالتی، جیتی جاگتی تصویر ہر مسلمان

کی زندگی کی حالت اور ہر کیفیت کا آئینہ بن جاتی ہے۔

ایک یہودی نے ایک صحابیؓ سے طنزاً کہا تھا، کہ تمہارا پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، اور معمولی معمولی باتیں بھی سکھاتا ہے، انہوں نے فخراً کہا کہ ہاں ہمارا پیغمبر ہم کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، یہاں تک کہ اس نے استنجا اور آبدست کی بھی تعلیم دی ہے اور آج بھی ہم اس کامل تعلیم کی سیرت کو فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں گویا سیرت محمدی دنیا کا آئینہ خانہ ہے، جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم و روح ظاہر و باطن، قول و عمل، زبان و دل، آداب و رسوم، طور و طریق کی اصلاح اور درستی کر سکتا ہے اور اسی لیے کوئی مسلمان قوم اپنی شائستگی اور ادب و اخلاق کے لیے اپنے مذہب سے باہر اور اپنے رسول کی سیرت سے الگ کوئی چیز نہیں مانگتی، اور نہ اس کو ضرورت ہے، سیرتِ محمدی دنیائے اسلامی کا عالمگیر آئینہ ہے، اسی کے مقابلہ سے حسن و قبح اور نیکی و بدی کا راز اس پر کھلتا ہے، اور چونکہ کوئی انسانی کامل زندگی اس استیعاب اور استقصاء کے ساتھ دنیا کے سامنے موجود نہیں، اس لیے تمام انسانوں کے لیے یہی ایک کامل نمونہ ہے، اور ایسی ہی کامل اور بے پردہ زندگی انسانوں کے لیے قابلِ نمونہ ہو سکتی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

۵

جَامِعیت

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

حضرات! خدا کی محبت کا اہل، اور اس کے پیار کا مستحق بننے کے لیے ہر مذاہب نے ایک ہی تدبیر بتائی ہے، اور وہ یہ ہے، کہ اس مذہب کے شارع اور طریقہ کے بانی نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں، ان پر عمل کیا جائے، لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر اختیار کی ہے اس نے اپنے پیغمبر کا عملی مجسمہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے، اور اس عملی مجسمہ کی پیروی اور اتباع کو خدا کی محبت کے اہل اور اس کے پیار کے مستحق بننے کا ذریعہ بنایا ہے، چنانچہ اسلام میں دو چیزیں ہیں، کتاب اور سنت کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں جو قرآن مجید کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں، اور سنت جس کے لغوی معنی راستہ کے ہیں وہ راستہ جس پر پیغمبرِ اسلام علیہ السلام خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گذرے یعنی آپ کا عملی نمونہ جس کی تصویر احادیث میں بصورت الفاظ ہے، الغرض ایک مسلمان کی کامیابی اور تکمیل روحانی کے لیے جو چیز ہے وہ سنت نبوی ہے۔

وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنفِ انسانی سے متعلق ہوں، اس دنیا کی بنیاد ہی اختلاف عمل پر ہے، باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعہ سے یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ، یا رئیس جمہور اور حکام بھی ضروری ہیں اور محکوم مطیع اور فرمانبردار رعایا بھی، امن کے قیام کے لیے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضرور ہے، اور فوجوں کے سپہ سالار اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہیں اور دولتمند بھی، رات کے عابد و زاہد بھی ہیں اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی، اہل و عیال بھی ہیں، اور دوست و احباب بھی، تاجر اور سوداگر بھی ہیں، اور امام اور پیشوا بھی، غرض اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے، اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لیے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے، اسلام ان تمام انسانوں کو سنتِ نبوی کی اتباع کی دعوت دیتا ہے، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقاتِ انسانی کے لیے اپنے پیغمبر کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے، جو ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہے، اسلام کے صرف اسی نظریہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی سیرت میں جامعیت ہے، یعنی انسانوں کے ہر طبقہ اور صنف کے لیے، اس کی سیرت پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کے لیے درس اور سبق موجود ہیں، ایک حاکم کے لیے محکوم کی زندگی، اور ایک محکوم کے لیے حاکم کی زندگی، ایک دولتمند کے لیے غریب کی زندگی، اور ایک غریب کے لیے دولتمند کی زندگی کامل مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی، اسی لیے ضرورت ہے کہ عالمگیر اور دائمی پیغمبر کی زندگی ان تمام مختلف مناظر کے رنگ برنگ پھولوں کا گلدستہ ہو،

اصناف انسانی کے بعد دوسری جامعیت خود ہر انسان کے مختلف عملوں کے مختلف افعال کی ہے ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اٹھتے بیٹھتے بھی، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاگتے بھی، ہنستے بھی ہیں، روتے بھی، پہنتے بھی ہیں، اوڑھتے بھی، نہاتے بھی ہیں دھوتے بھی، لیتے بھی ہیں، دیتے بھی، سیکھتے بھی ہیں، سکھاتے بھی، مرتے بھی ہیں مارتے بھی، کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی، احسان لیتے بھی ہیں اور کرتے بھی، اپنی جان دیتے بھی ہیں، اور بچاتے بھی، عبادت و دعا بھی کرتے ہیں، اور کاروبار بھی، مہمان بھی بنتے ہیں، اور میزبان بھی، ہم کو ان تمام امور کے متعلق جو ہمارے مختلف افعالِ جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں عملی نمونوں کی ضرورت ہے، جو ہم کو ہر نئی حالت کے پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی رہنمائی کا درس دیں،

ان افعال کے بعد جن کا تعلق اعضا سے ہے، وہ افعال ہیں، جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے، اور جن کی تعبیر ہم اعمالِ قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں، ہر آن ہم ایک نئے قلبی عمل یا جذبہ یا احساس سے متاثر ہوتے ہیں، ہم کبھی راضی ہیں کبھی ناراض، کبھی خوش ہیں، کبھی غمزدہ، کبھی مصائب سے دوچار ہیں اور کبھی نعمتوں سے مالا مال، کبھی ناکام ہوتے ہیں، اور کبھی کامیاب، ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں، اخلاق فاضلہ کا تمام تر انحصار انہی جذبات اور احساسات

کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے، ان سب کے لیے ہم کو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے جس کے ہاتھ میں ہماری ان اندرونی سرکش اور بے قابو قوتوں کی باگ ہو جو انہی راستوں پر ہمارے نفس کی غیر معتدل قوتوں کو لے چلے، جن پر سے مدینہ کا بے نفس انسان کبھی گزر چکا ہے۔

عزم، استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا بتقدیر، مصیبتوں کی برداشت قربانی، قناعت، استغنا، ایثار، جود، تواضع، خاکساری، مسکنت، غرض نشیب و فراز بلند و پست، تمام اخلاقی پہلوؤں کے لیے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں، ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے، مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد رسول اللہ صلعم کے پاس! حضرت موسیٰؑ کے پاس ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے، مگر نرم اخلاق کا نہیں، حضرت عیسیٰؑ کے ہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے، مگر سرگرم اور خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں، انسانوں کو اس دنیا میں ان دونوں قوتوں کی معتدل حالت میں ضرورت ہے، اور ان دونوں قوتوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف پیغمبر اسلام کی سوانح میں مل سکتی ہیں۔

غرض ایک ایسی شخصی زندگی، جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ کی سیرت ہے اگر دولتمند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی و بیکسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو، تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جد و جہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبداللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن و حسین کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کوئی بھی ہو، اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لیے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلعم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے اس لیے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے صرف محمد رسول اللہ کی سیرت، ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے، جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ کی سیرت ہے، اس کے سامنے نوح و ابراہیم، ایوب و یونس، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سب کی سیرتیں موجود ہیں، گویا تمام دوسرے انبیائے کرامؑ کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی اشیاء کی دوکانیں ہیں اور محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکٹ) ہے جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلبگار کے لیے بہترین سامان موجود ہے۔

آج سے تیس چالیس برس پہلے پٹنہ کے مشہور واعظ اسلام ماسٹر حسن علی مرحوم نور اسلام نام ایک رسالہ نکالتے تھے، اس میں انہوں نے اپنے ایک ہندو تعلیم یافتہ دوست کی رائے لکھی ہے، کہ اس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا کہ میں آپ کے پیغمبر کو دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں، انہوں نے پوچھا ہمارے پیغمبر کے مقابلہ میں تم حضرت عیسیٰ کو کیا سمجھتے ہو، اس نے جواب دیا کہ محمدؐ کے مقابلہ میں عیسیٰ ایسے معلوم ہوتے ہیں، جیسے کسی دانائے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھالا بچہ بیٹھا ہوا میٹھی میٹھی باتیں کر رہا ہو، انہوں نے دریافت کیا کہ تم کیوں پیغمبر اسلام کو دنیا کا کامل ترین انسان جانتے ہو، اس نے جواب دیا کہ مجھ کو ان کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں، جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا کر کے نہیں دکھائے، بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو، اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو. بلکہ خدا کے قبضہ میں، دولتمند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آرہے ہوں، اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر چولھا نہ جلتا ہو، اور کئی کئی وقت اس پر فاقے سے گذر جاتے ہوں، سپہ سالار ایسا ہو کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو، اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش جان نثاروں کی ہمرکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چون و چرا دستخط کر دیتا ہو شجاع اور بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تن تنہا کھڑا ہو، اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، با تعلق ایسا ہو کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر، بیوی بچوں کی اس کو فکر، غریب و مفلس مسلمانوں کی اس کو فکر، خدا کی بھولی بھٹکی دنیا

ے سدھارنے کی اس کو فکر، غرض سارے سنسار کی اس کو فکر ہو، اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا
کے سوا کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو، اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش ہو، اس نے
کبھی اپنی ذات کے لیے اپنے برا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا، اور اپنے ذاتی دشمنوں
کے حق میں دعائے خیر کی اور ان کا بھلا چاہا، لیکن خدا کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف
نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا، اور عذابِ الٰہی سے
ڈراتا رہا، عین اس وقت جب اس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکا ہوتا ہو، وہ ایک
شب زندہ دار زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہو جاتا ہے، عین اس وقت جب اس پر
کشور کشا فاتح کا شبہ ہو، وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتا
ہے، عین اس وقت جب ہم اس کو شاہِ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں، وہ کھجور کی چھال
کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے، عین اس دن جب عرب کے
اطراف سے آ آ کر اس کے صحن مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے، اس کے
گھر میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہے، عین اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں
کے گھروں میں لونڈی اور غلام بن کر بھیجے جا رہے ہیں، فاطمہؓ بنت رسول اللہ جا کر
اپنے ہاتھوں کے چھالے اور سینہ کے داغ باپ کو دکھاتی ہیں، جو چکی پیستے پیستے
اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گئے تھے، عین اس وقت جب آدھا
عرب اس کے زیر نگیں ہوتا ہے، حضرت عمرؓ حاضر دربار ہوتے ہیں، ادھر ادھر
نظر اٹھا کر کاشانۂ نبوت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں، آپ ایک کھری
چارپائی یا چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں، جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں،
ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کھونٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے، سرورِ
کائنات کے گھر کی یہ کل کائنات دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑتے ہیں، سبب دریافت
ہوتا ہے، عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہ اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا!
قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں، اور آپ پیغمبر ہو کر اس حالت
میں ہیں، ارشاد ہوتا ہے، عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے
لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت۔

ابو سفیان جو آنحضرت صلعم کے سب سے بڑے حریف تھے، فتح مکہ کے دن
حضرت عباسؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں، رنگ
رنگ کی بیرقوں اور جھنڈیوں کے سایہ میں اسلام کا دریا امنڈتا آ رہا ہے، قبائل
عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھتی چلی آ رہی ہیں۔ ابو سفیان کی آنکھیں اب بھی
دھوکا کھاتی ہیں، وہ حضرت عباسؓ سے کہتے ہیں، عباس! تمہارا بھتیجا تو بڑا بادشاہ
بن گیا، عباسؓ کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں، فرمایا، ابو سفیان! یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے۔
عدی بن حاتم قبیلہ طے کے رئیس، مشہور حاتم طائی کے فرزند تھے، اور مذہبًا
عیسائی تھے، وہ حضور کے دربار میں آتے ہیں، صحابہؓ کی عقیدت مندیوں، اور جہاد
کا ساز و سامان دیکھ کر ان کو اس فیصلہ میں دقت ہوتی ہے کہ محمد بادشاہ ہیں یا پیغمبر،
دفعۃً مدینہ کی ایک غریب لونڈی آ کر کھڑی ہوتی ہے، اور کہتی ہے کہ حضور سے کچھ
عرض کرنا ہے۔ فرماتے ہیں دیکھو مدینہ کی جس گلی میں کہو میں تمہاری باتیں سن سکتا ہوں،
یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں، اس ظاہری
جاہ و جلال کے پردہ میں یہ عجز، یہ خاکساری، یہ تواضع دیکھ کر عدی کی آنکھوں کے سامنے
سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور وہ دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ یقینًا پیغمبرانہ شان ہے۔
فورًا گلے سے صلیب اتار دیتے ہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلقۂ اطاعت
اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں۔

غرض میں نے جو کچھ پہلے کہا، وہ محض شاعرانہ انشا پردازی نہیں، بلکہ تاریخی واقعات
ہیں۔ ایسی کامل و جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنفِ انسانی
کے لیے ہدایت کی مثالیں اور نظیریں رکھتی ہو وہی اس لائق ہے جو اس اصناف و
انواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالمگیر اور دائمی رہنمائی کا کام انجام دے، جو غیظ و غضب
اور رحم و کرم، جود و سخا اور فقر و فاقہ، شجاعت و بہادری اور رحم دلی و رقیق القلبی خانہ داری
اور خدادانی، دنیا اور دین دونوں کے لیے ہم کو اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند
کر دے، جو دنیا کی بادشاہی کے ساتھ آسمان کی بادشاہی، اور آسمان کی بادشاہی
کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دے، اور دونوں بادشاہیوں کے قواعد
قوانین اور دستور العمل کو اپنی زندگی میں برت کر دکھا دے، عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے
کہ دنیا میں صرف عفو و درگزر، معافی اور نرمی انسانیت کی تکمیل کے سب سے بڑے
ذریعے ہیں، بلکہ فقط یہی ذریعے ہیں، اس لیے جس ہستی میں صرف یہی ایک پہلو ہو۔
وہی انسانیت کی سب سے بڑی معلم اور محسن ہے، لیکن ہمیں یہ بتاؤ کہ انسان کے اخلاق
میں کیا فقط یہی قوتیں ودیعت ہیں یا اس کے مقابل کی قوتیں بھی ہیں ایک انسان میں
دیکھو تو غصہ اور کرم، محبت اور عداوت، خواہش اور قناعت، انتقام اور عفو
ہر قسم کے فطری جذبات موجود ہیں، اس لیے ایک کامل معلم وہی ہو سکتا ہے جو
انسانیت کے ان تمام قوی اور جذبات میں اعتدال پیدا کر کے ان کے صحیح مصرف کا
تعین کر دے۔ جن مذہبوں کو یہ دعویٰ ہے کہ ان کے پیغمبروں کی سیرتیں صرف رحم و کرم
اور عفو و درگزر پر مبنی ہیں، وہ مجھے بتائیں کہ اجتماعی حیثیت سے وہ کتنے دن ان سیرتوں
کے مطابق عمل کر سکے؟ قسطنطین پہلے عیسائی بادشاہ سے لے کر آج تک عیسائی
مذہب میں کتنے صاحب تاج و تخت پیدا ہوئے، اور کتنی بادشاہیاں قائم ہوئیں،
مگر ان میں سے کس نے اپنی سلطنت کا قانون صرف اپنے پیغمبر کی سیرت کی پیروی کو
قرار دیا؟ پھر ایسی سیرت جو عملی دنیا میں ہر حیثیت سے اپنے پیروؤں کے لیے نمونہ نہ
ہو کیونکر جامع کہی جا سکتی ہے؟

حضرت نوحؑ کی زندگی، کفر کے خلاف غیظ و غضب کا ولولہ پیش کرتی ہے حضرت

ابراہیمؑ کی حیات بت شکنی اور کا منظر دکھاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی کفار سے جنگ و جہاد، شاہانہ نظم ونسق اور اجتماعی دستور و قوانین کی مثال پیش کرتی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائف صرف خاکساری، تواضع، عفو و درگزر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے، حضرت سلیمانؑ کی زندگی شاہانہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے، حضرت ایوبؑ کی حیات صبر و شکر کا نمونہ ہے، حضرت یونسؑ کی سیرت ندامت و انابت اور اعتراف کی مثال ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی قید و بند میں بھی دعوتِ حق اور جوشِ تبلیغ کا سبق ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سیرت گریہ و بکا، حمد و ستائش اور دعا و زاری کا صحیفہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی زندگی امید، خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کو دیکھو کہ اس میں نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ، سلیمانؑ اور داؤدؑ، ایوبؑ، اور یونسؑ، یوسفؑ اور یعقوبؑ سب کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر سمائی ہیں۔

محدث خطیب بغدادی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ آنحضرت صلعم کی پیدائش کے وقت ندا آئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکوں ملکوں پھراؤ، اور سمندر کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دنیا ان کے نام و نشان کو پہچان لے۔ جن و انس، چرند و پرند، بلکہ ہر جاندار کے سامنے ان کو لے جاؤ۔ ان کو آدمؑ کا خلق، شیثؑ کی معرفت، نوحؑ کی شجاعت ابراہیمؑ کی دوستی، اسمٰعیلؑ کی زبان، اسحاقؑ کی رضا، صالحؑ کی فصاحت، لوطؑ کی حکمت موسیٰؑ کی سختی، ایوبؑ کا صبر، یونسؑ کی طاعت، یوشعؑ کا جہاد، داؤدؑ کی آواز، دانیالؑ کی محبت، الیاسؑ کا وقار، یحییٰؑ کی پاک دامنی، اور عیسیٰؑ کا زہد عطا کرو، اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو"، جن علماء نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، ان کا منشاء درحقیقت یہی ہے کہ وہ پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کی صفتِ جامعیت کو نمایاں کریں، کہ جو کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو متفرق طور سے عطا ہوا تھا۔ وہ سب مجموعی طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں دیکھو جامعیت کی صفت کامل پورے طور پر نمایاں ہو جائے گی، مکہ کے پیغمبر کو جب مکہ سے یثرب جاتے دیکھو تو کیا وہ پیغمبر تم کو یاد نہ آئے گا جو مصر سے مدین جاتا نظر آتا ہے، کوہِ حرا کے غار نشین اور کوہِ سینا کے تماشائی میں ایک حیثیت سے کیسی یکسانی نظر آتی ہے، مگر جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی آنکھیں کھلی تھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بند۔ حضرت موسیٰؑ باہر دیکھ رہے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر، کوہِ زیتون پر وعظ کہنے والے پیغمبر (حضرت عیسیٰؑ)، اور کوہِ صفا پر چڑھ کر یا معشر قریش! کہہ کر پکارنے والے میں کتنی مشابہت ہے بدر و حنین اور احزاب و تبوک والے سپہ سالار اور عمالیق اور عمونیوں اور اموریوں سے نبرد آزما پیغمبر (موسیٰؑ) میں کس قدر مماثلت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے سات سرداروں کے حق میں بد دعا کی، تو آپ کی زندگی حضرت موسیٰؑ کے مثل تھی، جب انہوں نے ان فرعونیوں پر بد دعا کی، جو معجزات پر معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لائے، اور جب آپ نے احد میں اپنے قاتلوں اور دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی، تو اس وقت گویا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قالب میں تھے، جنہوں نے کبھی اپنے دشمنوں کا بھی برا نہیں چاہا، جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم مسجدِ نبوی کی عدالت گاہ اور پنچایتوں میں یا غزوات اور لڑائیوں میں دیکھو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کا نقشہ کھنچ جائے گا، لیکن جب آپ کو مکانوں کے حجروں میں پہاڑوں کے غاروں میں رات کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں دیکھو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جلوہ نظر آئے گا۔ شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں میں آپ کی زبان مبارک کی دعاؤں اور مناجاتوں کو سنو تو زبور والے داؤد علیہ السلام کا تم کو دھوکا ہوگا فتحِ مکہ کے خدم و حشم اور بیرق و علم کے سایہ میں آپ کو دیکھو تو تزک و احتشام اور فوجوں والے سلیمان علیہ السلام کا مغالطہ ہوگا، اگر شعبِ ابی طالب میں آپ کو تین برس اس طرح محصور دیکھو کہ کھانے کا سامان تک بھی وہاں نہ پہنچ سکے تو مصری قید خانے کے پیغمبر یوسف علیہ السلام کا جلوہ دکھائی دے گا، غرض

حسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت موسیٰ علیہ السلام قانون لے کر آئے، حضرت داؤد علیہ السلام دعا اور مناجات لے کر۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زہد و اخلاق لے کر، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانون بھی لائے دعا و مناجات بھی، اور زہد و اخلاق بھی، ان سب کا مجموعہ الفاظ و معانی میں قرآن اور عمل میں سیرتِ محمدیؐ ہے۔

دوستو! اب سیرتِ محمدیؐ کی جامعیت کا ایک اور پہلو تم کو دکھاؤں، دنیا میں دو قسم کی تعلیم گاہیں ہیں، ایک وہ جہاں صرف ایک فن سکھایا جاتا ہے، اور ہر فن کے لیے الگ الگ اور مستقل تعلیم گاہیں ہیں، جیسے کوئی میڈیکل کالج ہے، کوئی انجینیرنگ کالج ہے، ایک آرٹ اسکول ہے، ایک تجارت کا مدرسہ ہے، ایک زراعت کی تعلیم گاہ ہے، ایک قانون کی درسگاہ ہے، ایک فوجی تعلیم کے لیے مدرسۂ حربیہ ہے، ان میں سے ہر مدرسہ اور تعلیم گاہ صرف ایک ہی قسم کے طالب علموں کی تعلیم کا انتظام کر سکتی ہے، میڈیکل کالج سے صرف ڈاکٹر نکلیں گے، زراعت کے کالج سے صرف زراعت کے ماہر پیدا ہوں گے، قانون کے مدرسہ سے صرف قانون دان تیار ہوں گے، تجارت کی تعلیم گاہ سے صرف تجارت کے واقف کار پیدا ہوں گے، علم و فن کے مدرسہ کی خاک سے صرف اہلِ علم اور اہلِ فن اٹھیں گے، لٹریچر کی تعلیم گاہ سے صرف انشا پرداز اور ادیب نکلیں گے، ملٹری کالج سے صرف سپاہی پیدا ہوں گے، علیٰ ہذا القیاس، لیکن کہیں کہیں بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہوتی ہیں، یہ دوسری قسم کی تعلیم گاہیں ہیں، جو اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتی ہیں، ان کے احاطہ میں ڈاکٹری کا کالج بھی ہوتا ہے، اور صنعت و حرفت کا مدرسہ بھی، زراعت اور انجینیرنگ کی تعلیم گاہ

بھی ہوتی ہے، اور فوجی تعلیم کا اسکول بھی، طلبہ مختلف اطراف و دیار سے آتے ہیں، اور اپنے اپنے ذوق، مناسبتِ طبع اور استعداد کے مطابق ایک ایک کالج یا مدرسہ کا انتخاب کر لیتے ہیں، پھر وہاں فوجوں کے جنرل اور سپاہی، عدالتوں کے قاضی، اور قانون دان، کاروبار کے تاجر اور مہندس، شفاخانوں کے حکیم اور ڈاکٹر، پیشوں اور صنعتوں کے واقف کار و ماہر سب ہی پیدا ہوتے ہیں۔

غور کرو تو معلوم ہوگا کہ صرف ایک ہی تعلیم، ایک ہی پیشہ اور ایک ہی علم کے جاننے والوں سے انسانی سوسائٹی کی تکمیل نہیں ہو سکتی، بلکہ ان سب کے مجموعہ سے وہ کمال کو پہنچتی ہے۔ اور پہنچ سکتی ہے، اگر صرف ایک ہی علم اور ایک ہی پیشہ کے ماہرین سے تمام دنیا معمور ہو جائے، تو اس تمدن و تہذیب کی مشین فوراً بند ہو جائے اور انسانی کاروبار یک قلم مسدود ہو جائے، یہاں تک کہ اگر تمام دنیا صرف زہد پیشہ خلوت نشینوں سے بھر جائے، تب بھی وہ اپنی تکمیل کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی، اب آؤ اس معیار سے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کریں، بقول حضرت مسیح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، درسگاہیں اپنے معنوی فرزندوں، اور شاگردوں سے پہچانی جاتی ہیں، تعلیم انسانی کی ان درسگاہوں کا جن کے اساتذہ انبیاء علیہم السلام ہیں جائزہ لو، تو چلے تو کہیں دس بیس، کہیں ساٹھ ستر، کہیں سو دو سو، کہیں ہزار دو ہزار کہیں پندرہ بیس ہزار طالب العلم آپ کو ملیں گے، لیکن جب مدرسۂ نبوت کی آخری تعلیم گاہ کو دیکھو گے تو تم کو ایک لاکھ سے زیادہ طالب العلم بیک وقت نظر آئیں گے، پھر ان دوسری نبوت گاہوں نے طلبہ کو اگر جاننا چاہو کہ وہ کہاں کے تھے؟ کون تھے؟ کیسے تیار ہوئے؟ اور ان کے اخلاق و عادات، روحانی حالات اور دیگر سوانح زندگی کیا تھے؟ اور ان کی تعلیم و تربیت کے عملی نتائج کیسے ثابت ہوئے؟ تو تم کو ان سوالات کا کوئی جواب نہیں مل سکتا، مگر محمد رسول اللہ صلعم کی درسگاہ میں ہر چیز تم کو معلوم ہو سکتی ہے اس کے ہر ایک طالب العلم کا نام و نشان حالات و سوانح، نتائج تعلیم و تربیت ہر چیز تاریخ اسلام کے اوراق میں ثبت ہے، آگے بڑھو، نبوت اور دعوتِ مذہب کی ہر ایک درسگاہ کا آج یہ دعویٰ ہے کہ اس کے دروازے ہر قوم کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ مگر اس درسگاہ کے بانی اور معلم اول کی سیرت پڑھو کہ کیا اس کے عہد میں کسی ایک ہی ملک، ایک ہی نسل، ایک ہی خاندان کے طالب العلم اس میں داخل ہوئے، اور ان کو داخلہ کی اجازت دی گئی، یا ان کی دعوت میں یہ عموم، جامعیت اور عالمگیری تھی کہ نسل آدم کا ہر ایک فرزند اور ارض خاکی کا ہر ایک باشندہ اس میں عملاً داخل ہو سکا یا اس کو داخل ہونے کے لیے آواز دی گئی۔ توراۃ کے تمام انبیاء، ملک عراق یا ملک شام یا ملک مصر سے آگے نہیں بڑھے یعنی اپنے وطن میں جہاں وہ رہتے تھے محدود رہے، اور اپنی نسل و قوم کے سوا غیروں کو انہوں نے آواز نہیں دی۔ زیادہ تر ان کی کوششوں کا مرکز صرف اسرائیل کا خاندان رہا۔ عرب کے قدیم انبیا بھی اپنی اپنی قوموں کے ذمہ دار تھے، وہ باہر نہیں گئے۔ حضرت عیسیٰ کے مکتب میں بھی غیر اسرائیلی طالب العلم کا وجود نہ تھا۔ وہ صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں تھے (متی باب ۰ آیت ۲۴) اور غیروں کو تعلیم دے کر وہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے۔ (انجیل) ہندوستان کے داعی پاک آریہ ورت سے باہر جانے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے۔ اگرچہ بودھ کے پیرو بادشاہوں نے اس کے پیغام کو باہر کی قوموں تک پہنچایا، مگر یہ عیسائیوں کی طرح بعد کے پیرووں کا فعل تھا، خود داعی مذہب کی سیرت اس عالمگیری اور جامعیت کی مثال سے خالی ہے۔

اب آؤ! ذرا عرب کے اس اُمّی معلم کی درسگاہ کا مطالعہ کریں۔ یہ کون طالب العلم ہیں؟ یہ ابوبکر و عمر، علی و عثمان، طلحہ و زبیر وغیرہ (رضی اللہ عنہم) مکہ کے قریشی طالب العلم ہیں۔ یہ کون ہیں؟ ابوذر اور انیس ہیں۔ یہ مکہ سے باہر تہامہ کے غفاری قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابوہریرہ اور طفیل بن عمرو ہیں، یمن سے آئے ہیں اور دوسی قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل ہیں، یہ بھی یمن سے آئے ہیں اور دوسرے قبیلوں کے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ ضماد بن ثعلبہ ہیں۔ قبیلۂ ازد کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ خباب بن الارت قبیلۂ تمیم کے ہیں۔ یہ منقذ بن حبان اور منذر بن عائذ ہیں، عبد القیس کے قبیلہ کے ہیں اور بحرین سے آئے ہیں۔ یہ عبید و جعفر عمان کے رئیس ہیں۔ یہ فروہ ہیں، یہ معان یعنی حدود شام کے رہنے والے ہیں۔ یہ کالے کالے کون ہیں؟ یہ بلال ہیں، ملک حبش والے۔ یہ کون ہیں؟ یہ صہیب رومی کہلاتے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ایران کے سلمان فارسی ہیں۔ یہ فیروز دیلمی ہیں، یہ سیخبت اور مرکبود ہیں، نسلاً ایرانی ہیں۔

حدیبیہ کی صلح ۶ھ میں وہ عہدنامہ مرتب کراتی ہے جو اسلام کا عین منشاء یعنی قریش اور مسلمان دونوں فریق جنگ موقوف کریں۔ اور مسلمان جہاں چاہیں اپنے مذہب کی دعوت دیں۔ اس دلخواہ کامیابی کے بعد پیغمبر اسلام علیہ السلام نے کیا کیا؟ اسی سال ۶ھ میں تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور ان کو خدا کا پیغام پہنچایا۔ دحیہ کلبیؓ ہرقل قیصر روم کی بارگاہ میں، عبداللہ بن حذافہ سہمی خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے دربار میں۔ حاطب بن بلتعہ مقوقس عزیز مصر کے یہاں، عمرو بن امیہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس، شجاع بن وہب الاسدی شام کے رئیس حارث غسانی اور سلیط بن عمرو روسائے یمامہ کے درباروں میں پیغمبر اسلام کے خطوط لے کر جاتے ہیں کہ محمدؐ کی درسگاہ میں داخلہ کا اذنِ عام ہے۔

حضرات! اس واقعہ سے درسگاہ محمدی کی جامعیت کا یہ پہلو نمایاں ہوتا ہے کہ اس میں داخلہ کے لیے رنگ روپ، ملک و وطن، قوم و نسل اور زبان و لہجہ کا سوال نہ تھا، بلکہ وہ دنیا کے تمام خانوادوں، تمام قوموں، تمام ملکوں، اور تمام زبانوں کے لیے عام تھی،

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

اب آؤ اس درسگاہ کی حیثیت اور درجہ کا پتہ لگائیں، کیا یہ وہ اسکول اور کالج ہے جہاں ایک ہی فن کی تعلیم ہوتی ہے، یا اس کی حیثیت ایک جامع اور عمومی درسگاہ اور عظیم الشان یونیورسٹی کی ہے، جہاں ذوق، مناسبتِ طبع اور استعداد کے مطابق ہر ملک کے لوگوں کو اور ہر قوم کے افراد کو الگ الگ تعلیم ملتی ہے، حضرت موسیٰؑ کی تعلیم گاہ کو دیکھو وہاں صرف فوج کے سپاہی اور یوشعؑ جیسے فوجی افسر اور قاضی اور کچھ مذہبی عہدہ دار پائے جاتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے طالب العلموں کی تلاش کرو، چند زاہد پیشہ فقراء فلسطین کی گلیوں میں ملیں گے، مگر محمد رسول اللہ صلعم کے ہاں کیا نظر آئے گا، ایک طرف اصحمہ حبش کا نجاشی بادشاہ، فروہ معان کا رئیس، ذوالکلاعؓ حمیر کا رئیس، عامر بن شہر قبیلۂ ہمدان کا رئیس، فیروز دیلمی اور مرکبود یمن کے رئیس، عبید و جعفر عمان کے رئیس، دوسری طرف بلالؓ، یاسرؓ، صہیبؓ، خبابؓ، عمارؓ، اور ابو فکیہہؓ کے سے غلام، اور سمیہؓ، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ام عبیسؓ کی سی لونڈیاں ہیں، ان کو دیکھو امیر و غریب شاہ و گدا، آقا و غلام دونوں ایک صف میں کھڑے ہیں،

ایک طرف عقلائے روزگار، اسرارِ فطرت کے محرم، دنیا کے جہانبان اور ملکوں کے فرمانروا اس درسگاہ سے تعلیم پا کر نکلے ہیں، ابوبکر صدیقؓ ہیں، عمر فاروقؓ ہیں، عثمان غنیؓ ہیں، علی مرتضیٰؓ ہیں، معاویہ بن ابی سفیانؓ ہیں، جنہوں نے مشرق سے مغرب تک افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرمانروائی کی، اور ایسی فرمانروائی جو دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ اور حکمران کی سیاست و تدبیر اور نظم و نسق کے کارناموں کو منسوخ کر دیتی ہے، ان کے عدل و انصاف کے فیصلے، ایرانی دستور اور رومی قانون کو بے اثر کر دیتے ہیں اور دنیا کی سیاسی و انتظامی تاریخ میں وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جن کی مثال نہیں پیش کی جا سکتی،

دوسری طرف خالد بن ولیدؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ، عمرو بن العاصؓ، پیدا ہوتے ہیں، جو مشرق و مغرب کی دو ظالم و کج کلاہ اور انسانیت کے لیے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں مرقع الٹ دیتے ہیں، اور دنیا کے وہ فاتح اعظم اور سپہ سالار اکبر ثابت ہوتے ہیں، جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے، سعدؓ نے عراق و ایران کا تاج شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا، خالدؓ اور ابو عبیدہؓ نے رومیوں کو شام سے نکال کر ابراہیمؑ کی موعودہ زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کر دی، عمرو بن العاصؓ نے فرعون کی سرزمین، وادی نیل، رومی شہنشاہی کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لی، عبداللہ بن زبیرؓ اور ابن ابی سرحؓ نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے جیت لیا، یہ وہ مشہور فاتح اور سپہ سالار ہیں، جن کی قابلیتوں کو زمانہ نے تسلیم کیا ہے، اور تاریخ نے ان کی جرأت کی شہادت دی ہے۔

تیسری طرف باذانؓ بن ساسان (یمن) خالد بن سعیدؓ (صنعاء) مہاجر بن امیہؓ (کندہ) زیاد بن لبید (حضرموت) عمرو بن حزم (نجران) یزید بن سفیانؓ (تیماء) علاء بن حضرمیؓ (بحرین) وغیرہ بیسوں وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی، اور خلق خدا کو آرام پہنچایا، چوتھی طرف علماء اور فقہا کی صف ہے، عمرؓ بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمروؓ بن العاص، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زیدؓ بن ثابت ابن زبیرؓ وغیرہ ہیں، جنہوں نے اسلام کے فقہ و قانون کی بنیاد ڈالی، اور دنیا کے مقننوں میں انہوں نے خاص درجہ پایا، پانچویں صف عام ارباب روایت و تاریخ کی ہے، مثلاً حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت براءؓ بن عازبؓ وغیرہ سینکڑوں صحابہ ہیں جو احکام و وقائع کے ناقل اور راوی ہیں، ایک چھٹی جماعت اُن نشتر صحابہ (اہل صفہ) کی ہے۔ جن کے پاس سر رکھنے کے لیے مسجد نبوی کے چبوترہ کے سوا کوئی جگہ نہ تھی، بدن پر کپڑوں کے سوا دنیا میں ان کی کوئی ملکیت نہ تھی، وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور ان کو بیچ کر خود کھاتے، کچھ خدا کی راہ میں دیتے اور رات کو طاعت و عبادت میں بسر کرتے تھے، ساتواں رخ دیکھو، ابوذرؓ ہیں، جن کے مانند آسمان کے نیچے ان سے زیادہ حق گو کوئی پیدا نہیں ہوا، ان کے نزدیک آج کا کھانا کل کے لیے اٹھا رکھنا بھی شانِ توکل کے خلاف تھا، ان کو دربار رسالت نے مسیح الاسلام کا خطاب عنایت کیا تھا، سلمان فارسیؓ ہیں، جو زہد و تقویٰ کی تصویر ہیں، عبداللہ بن عمرؓ ہیں جنہوں نے تیس برس کامل طاعت و عبادت میں گذارے۔ اور جب ان کے سامنے خلافت پیش ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک قطرہ بھی خون گرے تو مجھے منظور نہیں، مصعب بن عمیرؓ ہیں جو اسلام سے پہلے قاقم و حریر کے کپڑے پہنتے اور ناز و نعمت میں پلے تھے اور جب اسلام لائے تو ٹاٹ اوڑھتے تھے، اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے اور جب شہادت پائی تو کفن کے لیے پورا کپڑا تک نہ ملا، پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن کیے گئے، عثمان بن مظعونؓ ہیں، جو اسلام کے پہلے صوفی کہلاتے ہیں، محمد بن مسلمہؓ ہیں جو فتنہ کے زمانے میں کہتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لے کر میرے حجرے میں میرے قتل کرنے کو داخل ہو جائے تو میں اس پر وار نہ کروں گا، ابو الدرداءؓ ہیں جن کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں گذرتے تھے،

ایک اور طرف دیکھو۔ یہ بہادر کارپردازوں اور عرب کے مدبرین کی جماعت ہے، اس میں طلحہؓ ہیں، زبیرؓ ہیں، مغیرہؓ ہیں، مقدادؓ ہیں، سعدؓ بن معاذؓ ہیں، سعدؓ بن عبادہ ہیں، اسیدؓ بن حضیر ہیں، اسعدؓ بن زرارہ ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں، کاروباری دنیا میں دیکھو تو مکہ کے تاجر اور بیوپاری اور مدینہ کے کاشتکار اور کسان بھی ہیں، اور عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اور سعد بن زبیرؓ جیسے دولتمند بھی ہیں،

ایک جماعت حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے، جنہوں نے خدا کی

راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں، مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے فرزند ہالہ تلواروں سے قیمہ کیے گئے، سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ ابوجہل کی برچھی کھا کر ہلاک ہوئیں، حضرت یاسرؓ کفار کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے مرگئے، حضرت خبیبؓ نے سولی پر جان دی، حضرت زیدؓ نے تلوار کے سامنے گردن جھکائی، حرام بن ملحان اور ان کے انہتر رفقاءؓ نے بیر معونہ پر عصیہ، رعل اور ذکوان کے قبائل کے ہاتھوں بے کسی کے ساتھ جام شہادت پیا، واقعہ رجیع میں حضرت عاصمؓ اور ان کے سات رفیقوں کے بدن بنو لحیان کے سو تیر اندازوں کے تیروں سے چھلنی ہوئے۔ ۷ھ میں ابن ابی العوجا، کے ۴۹ ساتھی قبیلہ بنو سلیم کے ہاتھوں شہید ہوئے حضرت کعب بن عمر غفاری مع اپنے ساتھیوں کے ذات اطلاح کے میدان میں شہید ہوئے دنیا کے ایک مشہور مذہب کو صرف ایک سولی پر ناز ہے۔ لیکن دیکھو کہ اسلام میں کتنی سولیاں، کتنے مذبح اور کتنے مقتل ہیں۔

تلوار کی دھار ہو کہ برچھی کی انی، یا سولی کی لکڑی، بہرحال یہ ایک آنی تکلیف ہے۔ اس سے زیادہ استقلال، اور اس سے زیادہ صبر و آزمائش کی وہ زندگیاں ہیں جو سالہا سال حق کی مصیبتوں میں گرفتار رہیں، جنہوں نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت کے فرش پر آرام کیا اور پتھر کی سلوں کو اپنے سینوں پر رکھا جن کے گلوں میں رسیاں ڈال کر گھسیٹی گئیں۔ اور جب پوچھا گیا تو وہی محمدؐ کا کلمہ ان کی زبانوں پر تھا۔ شعب ابی طالب کی قید میں تین برس تک جنہوں نے طلح (ایک درخت) کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کی، یعنی سعد بن ابی وقاص۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک رات بھوک کی شدت سے ایک سوکھا چمڑا مل گیا، تو اسی کو دھو کر آگ پہ بھون کر اور پانی میں ملا کر کھایا۔ عتبہ بن غزوان کہتے ہیں کہ ہم سات مسلمان تھے۔ ان غیر فطری غذاؤں کو کھا کھا کر ہمارے منہ زخمی ہوگئے۔ خبابؓ جب اسلام لائے تو کافروں نے ان کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا۔ یہاں تک کہ یہ دہکتے ہوئے کوئلے انہی کی پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہوگئے۔ بلالؓ دوپہر کی جلتی ریت پر لٹائے جاتے اور سینہ پر پتھر کی سل رکھ دی جاتی، ان کے گلے میں رسی باندھی جاتی، اور گلی گلی ان کو گھسیٹا جاتا، ابو فکیہہؓ کو ان کے پاؤں میں رسی باندھ کر زمین پر گھسیٹا گیا، ان کا گلا دبایا گیا، ان کے سینہ پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ زبان نکل پڑی، عمار جلتی ریت کے فرش پر لٹائے جاتے اور مارے جاتے، حضرت زبیرؓ کو ان کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا، سعید بن زیدؓ رسیوں میں باندھ کر پیٹے جاتے۔ حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا نے رسی باندھ کر مارا، یہ سب کچھ تھا مگر جو نشہ چڑھ چکا تھا، وہ اترتا نہ تھا، یہ کیسا نشہ تھا؟ یہ ساقی کوثر کے خمخانہ جاوید کا نشہ تھا،

عزیزو! غور کا مقام ہے، یہ وہی وحشی عرب، وہی بت پرست عرب، وہی بداخلاق عرب میں، یہ کیا انقلاب ہو گیا تھا؟ ایک امی کی تعلیم، جاہل عربوں کو عاقل، روشن دل روشن دماغ اور متمدن کیونکر بنا گئی؟ ایک نہتے پیغمبر کا ولولہ تبلیغ کس مپرس عربوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کر نئے زور و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا۔ جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے، وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور طاعت گذار کیونکر ہوگئے، تم نے درسگاہ محمدیؐ یا مدینہ یونیورسٹی کی پوری سیر کر لی، ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب العلم دیکھے، عالم بھی دیکھے، متمدن بھی دیکھے، فوجی بھی دیکھے، قاضی عدالت بھی دیکھے، حکام اور والی بھی دیکھے، غریب و مسکین بھی دیکھے شاہ و امیر بھی دیکھے غلام بھی دیکھے، آقا بھی دیکھے، لڑنے والے بھی دیکھے مرنے والے بھی دیکھے، راہ حق کے شہیدوں کو بھی دیکھا، تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی ذات، انسانی کمالات اور صفات حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی، اور یہ سب انہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں، جو کبھی صدیقؓ و فاروقؓ ہو کر چمکتی تھیں، کبھی ذی النورینؓ اور مرتضیٰؓ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں، کبھی خالدؓ اور ابو عبیدہؓ اور کبھی سعدؓ و جعفر طیار ہو کر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمرؓ اور ابوذرؓ اور سلمانؓ اور ابو درداءؓ ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں، کبھی ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی صورت میں علم و فن کی درسگاہ اور عقل و حکمت کا دبستان بن جاتی تھیں اور کبھی بلالؓ و صہیبؓ اور عمارؓ و خبیبؓ کی امتحان گاہوں میں تسلی کی روح اور تسکین کا پیغام بن جاتی تھیں، گویا رسول اللہ صلعم کا وجود مبارک آفتاب عالمتاب تھا جس سے اونچے پہاڑ، ریتیلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے یا ابر باراں تھا، جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا، اور قسم قسم کے درخت اور رنگا رنگ پھول، اور پتے جم رہے تھے، اور اگ رہے تھے۔

ان نیرنگیوں کے ساتھ اور اس اختلاف استعداد کے باوجود ایک چیز تھی جو یکساں طور سے سب میں نمایاں تھی، وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی، ایک روح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی، وہ بادشاہ ہوں یا گدا۔ امیر ہوں یا غریب، حاکم ہوں یا محکوم، قاضی ہوں یا گواہ، افسر ہوں یا سپاہی، استاد ہوں یا شاگرد۔ عابد و زاہد ہوں یا کاروباری، غازی ہوں یا شہید، توحید کا نور، اخلاص کی مے، قربانی کا ولولہ، خلق کی ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ، اور بالآخر ہر کام میں خدا کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا، وہ جو کچھ بھی ہوں، جہاں بھی ہوں اور جو بھی کر رہے ہیں، یہ فیضان حق سب میں یکساں اور برابر تھا، راستوں، رنگتوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا۔ مگر خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسول ایک تھا، اور قبلہ ایک تھا، ہر رنگ، ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی، خلق کی بھلائی، خدا کے نام کی اونچائی اور حق کی ترقی

تھی، اور اس کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی۔

دوستو! میں نے آج کی تقریر میں محمد رسول اللہ صلعم کی صفت جامعیت کی نیرنگیاں مختلف پہلوؤں سے دکھائیں، اگر تم مطالعۂ فطرت کے بعد یقین رکھتے ہو کہ یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کرو کہ محمد رسول اللہ کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری اور دائمی اور عالمگیر رہنما نہیں ہو سکتا، اسی لیے اعلان فرمایا اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔" اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے، تو آؤ میری پیروی کرو" اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم رعایا ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم سپہ سالار ہو اور سپاہی ہو تو میری پیروی کرو، اگر استاد اور معلم ہو تو میری پیروی کرو، اگر دولت مند ہو تو میری پیروی کرو، اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو، اگر بیکس اور مظلوم ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم خدا کے عابد ہو تو میری پیروی کرو اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو، غرض جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کے لیے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ چاہتے ہو تو میری پیروی کرو،

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَسَلِّمْ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

۶

عملی پہلو یا عملیت

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

صاحبو! محمد رسول اللہ کی پیروی کس چیز میں اور کیونکر کرنی چاہیئے، اس کے لیے آج ہم کو سیرۃ نبویؐ علیٰ صاحبہا السلام کا عملی پہلو دکھانا ہے، یہ انبیائے کرام اور بانیانِ مذاہب کی موجودہ سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے لیکن محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے، اور تنہا یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لیے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہو سکتا ہے، مفید نصیحتوں، میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں، کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے، موجودہ مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھ جاؤ، لب و لہجہ شیریں باتیں ملیں گی، دلآویز حکایتیں ملیں گی، خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی، تقریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا، مؤثر تمثیلیں تھوڑی دیر کے لیے خوش کر دیں گی، مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل، کام اور اپنے احکام و نصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔

انسان کی عملی سیرت کا نام خُلق (اخلاق) ہے، قرآن کے سوا اور کس مذہب کے صحیفہ نے اپنے شارع کی نسبت اس بات کی کھلی شہادت دی ہے، کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدرجہا بلند انسان تھا، لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست و دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا،

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ‎﴿﴾‏ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔ (قلم ۔ ۱) (اے محمدؐ) بے شک تیری مزدوری نہ ختم ہونے والی ہے، اور بے شک تو بڑے درجے کے اخلاق پر ہے،

یہ دونوں فقرے گو نحو میں معطوف و معطوف علیہ ہیں لیکن درحقیقت اپنے اشارۃ النص اور ترکیب کلام کے لحاظ سے علت و معلول ہیں، یعنی دعویٰ اور دلیل ہیں، پہلے ٹکڑہ میں آپ کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے، اور دوسرے ٹکڑے میں آپ کے عمل او اخلاق کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، یعنی آپ کے اعمال اور آپ کے اخلاق خود اس کی دلیل ہیں کہ آپ کے اجر کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا، اسی لیے کہ اُمّی معلم صلعم پکار کر کہتا تھا،

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (صف ۔ ۱) کیوں تم کہتے ہو جو کرتے نہیں،

اور اس اعلان کا اُس کو حق تھا کیونکہ وہ جو کچھ کرتا تھا، اس کو کر کے دکھا دیتا تھا کوہِ زیتون کے واعظ (حضرت عیسیٰ مسیحؑ) اور کوہِ صفا کے مبلغ (محمد رسول اللہؐ) ان دونوں کی سیرتوں کو اس عملی حیثیت سے پڑھو اور مطالعہ کرو، تو معلوم ہوگا کہ ایک کی سیرت اس سے یکسر خالی ہے، تو دوسری کی سرتاپا معمور، قوت پاکر عفو اور حلم پیش کرنا بلند اخلاق ہے، لیکن کسی معذور، مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو و حلم سے نہیں کی جا سکتی، ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں، کسی کو قتل نہیں کیا، کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، کسی کا مال نہیں لوٹا، کوئی گھر نہیں بنایا، کچھ جمع نہیں کیا، لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں، یہ بتاؤ کہ مارا تو نہیں، لیکن کسی غریب و کمزور کی مدد بھی کی، کسی کو قتل نہیں کیا، لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ کسی کے ساتھ برائی نہیں کی لیکن کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال نہیں چھینا، لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ اپنے لیے کوئی گھر نہیں بنایا، لیکن کسی گھر اور بے خانماں کو پناہ بھی دی؟ اپنے لیے کچھ جمع نہیں کیا، لیکن دوسروں کو کچھ دیا اور دلایا بھی؟ دنیا کو ثبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں، اور انہی کا نام عمل ہے، قرآن پاک گواہی دیتا ہے،

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔ (آل عمران ۔ ۱۷) پس خدا کی عنایت سے تم ان کے لیے نرم ہو (اے محمدؐ) اور اگر تم درشت خو، سخت دل ہوتے تو البتہ یہ لوگ جو تمہارے پاس جمع ہوئے ہیں، تمہارے ارد گرد سے چھٹ جاتے

یہ آنحضرت صلعم کی نرم دلی کا متواتر بیان ہے، جو دعویٰ، اور دلیل کے ساتھ خود صحیفۂ الٰہی میں موجود ہے، کہ اگر آپ نرم دل اور رحیم نہ ہوتے تو یہ وحشی، نڈر، بے خوف اور درشت مزاج عرب کبھی آپ کے گرد جمع نہ ہوتے، دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک پیغمبر آیا جس پر

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔ (توبہ - ۱۶)

تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہے، تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کے ان ترحمانہ جذبات کا ذکر فرمایا ہے، جو تمام بنی نوع اور تمام بنی آدم کے ساتھ تھے، چنانچہ فرمایا کہ اے لوگو! تمہارا تکلیف و مصیبت اٹھانا، حق کے قبول سے انکار کرنا، اور اپنی جہالت و نشگاری پر اس طرح ڈٹے رہنا رسول پر شاق ہے۔ اور تمہاری بھلائی اور خیر طلبی کا وہ بھوکا ہے، بنی نوع انسان کے ساتھ یہی خیر خواہی تمہاری دعوت و تبلیغ اور نصیحت پر اس کو آمادہ کرتی ہے، اور جو لوگ اس کی دعوت اور پکار کو سن لیتے ہیں، وہ ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے، غرض اس آیت پاک میں اس بات کی شہادت ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ اور خیر طلب تھے اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے،

یہ آپ کے عملی اخلاق کے متعلق آسمانی شہادتیں ہیں،

قرآن پاک، اسلام کے احکام اور آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے جو تعلیمات انسانوں کو پہنچائی گئیں، ان کا مجموعہ ہے، بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے آنحضرت صلعم کی سیرت مبارک درحقیقت قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے، جو حکم آپ پر اتارا گیا، آپ نے خود اس کو کرکے بتایا، ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، ان کے علاوہ اور حسن عمل و حسن خلق کی باتیں جس قدر آپ نے فرمائیں، ان کے لیے سب سے پہلے آپ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن میں تھا، وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آیا، چند صحابی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ یا ام المومنین حضور کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے، ام المومنینؓ جواب میں کہتی ہیں کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ كَانَ خُلُقُ رَسُولِ اللّٰهِ صلعم الْقُرْآن "آپ کا اخلاق تمام تر قرآن تھا" (ابوداؤد) قرآن الفاظ و عبارت ہے اور محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت اس کی عملی تفسیر،

انسان کے اخلاق، عادات، اور اعمال کا بیوی سے بڑھ کر کوئی واقفکار نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلعم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس وقت حضرت خدیجہؓ کے نکاح کو ۱۵ برس ہو چکے تھے۔ اور یہ مدت اتنی بڑی مدت ہے جس میں ایک انسان دوسرے کے عادات و خصائل اور طور طریقہ سے اچھی طرح واقف ہو سکتا ہے، اسی واقفیت کا اثر حضرت خدیجہؓ پر یہ پڑتا ہے کہ ادھر آپ کی زبان سے اپنی نبوت کی خبر نکلتی ہے اور ادھر حضرت خدیجہؓ کا دل اس کی تصدیق پر آمادہ ہو جاتا ہے، آنحضرت صلعم جب نبوت کے بار گراں سے گھبراتے ہیں تو حضرت خدیجہؓ تسکین دیتی ہیں، کہ یا رسول اللہ خدا آپ کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ قرابت داروں کا حق پورا کرتے ہیں، ہمدردوں کا قرض ادا کرتے ہیں، مفلسوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں، حق کی طرفداری کرتے ہیں، مصیبتوں میں آپ لوگوں کے کام آتے ہیں۔ (بخاری) غور کیجئے، یہ آپ کی وہ عملی مثالیں ہیں جو نبوت سے پہلے آپ میں موجود تھیں،

آنحضرت صلعم کی تمام بیویوں میں حضرت خدیجہ کے بعد سب سے زیادہ محبوب حضرت عائشہ تھیں، حضرت عائشہ نو برس متصل آپ کی صحبت میں رہیں، وہ گواہی دیتی ہیں کہ حضور کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی، آپ برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ معاف کر دیتے تھے، آپ گناہ کی بات سے کوسوں دور رہتے تھے، آپ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا، آپ نے کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت یا خادم یہاں تک کہ کسی جانور تک کو کبھی نہیں مارا، آپ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا۔

رشتہ داروں میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر کوئی آپ کے دن رات کے حالات اور اخلاق سے واقف نہ تھا، وہ بچپن سے جوانی تک آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہے تھے، وہ گواہی دیتے ہیں، کہ "آپ نرم مزاج، طبیعت کے نرم، اور اخلاق کے نیک تھے طبیعت میں مہربانی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے، لوگوں کے عیب اور برائیوں کو نہیں ڈھونڈھا کرتے تھے، کسی کی کوئی فرمائش اگر مزاج کے خلاف ہوتی تو خاموش رہ جاتے، نہ اس کو صاف جواب دے کر مایوس کر دیتے تھے، اور نہ اپنی منظوری کا اظہار فرماتے تھے، واقفکار اس انداز خاص سے سمجھ جاتے کہ آپ کا منشا کیا ہے، یہ اس لیے تھا کہ آپ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، دلشکنی نہیں کرتے تھے بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے، کہ آپ رؤف و رحیم تھے"۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ آپ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع تھے، لوگ آپ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے، آپ کو پہلی دفعہ جو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے وہ آپ سے ملتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔ (شمائل ترمذی)

آپ کی سیرت پڑھ کر بعینہٖ یہی خیال انگلینڈ کے سب سے مشہور مورخ گبن نے ظاہر کیے

آنحضرت صلعم کے سوتیلے فرزند یعنی حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے صاحبزادہ حضرت ہندؓ جو گویا آپ کے پروردہ تھے، گواہی دیتے ہیں کہ آپ کی طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے، کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کہتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کا شکریہ ادا کرتے تھے، کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے، کھانا جیسا سامنے آتا کھا لیتے، اس کو برا نہ کہتے، آپ کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہیں آتا تھا، نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لیتے تھے اور نہ کسی کی دلشکنی گوارا کرتے تھے، لیکن اگر کوئی حق بات کی مخالفت کرتا، تو حق کی طرفداری میں آپ کو غصہ آ جاتا تھا اور اس حق کی آپ پوری حمایت فرماتے تھے۔ (شمائل)

یہ آپ کے حق میں ان لوگوں کی شہادتیں ہیں، جو آپ سے بہت نزدیک تھے

آپ بہت زیادہ واقف تھے، اس سے یہ معلوم ہوگا کہ آپ کی سیرۃ مبارکہ کی عملی حیثیت کیسی بلند تھی،

آپ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیرووں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھا دیا۔

آپ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہ کی زندگی میں اس تلقین کا اثر نمایاں ہوا وہ تو الگ چیز ہے، خود آپ کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی، اس پر غور کرو، شب و روز میں کم کوئی ایسا لمحہ تھا جب آپ کا دل خدا کی یاد سے اور آپ کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر وقت خدا کا ذکر اور اس کی حمد زبان مبارک پر جاری رہتی تھی، آج حدیث کی کتابوں کا ایک کثیر حصہ انہی مبارک کلمات اور دعاؤں کے بیان میں ہے، جو مختلف حالات اور مختلف وقتوں کی مناسبت سے آپ کی زبان فیض اثر سے ادا ہوئیں، حصن حصین دو سو صفحوں کی کتاب صرف ان کلمات اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی محبت، عظمت، جلالت، اور خشیت نمایاں ہے، اور جن سے ہر وقت زبان اقدس تر رہتی تھی، قرآن نے اچھے بندوں کی یہ تعریف کی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ — آل عمران آیت ۱۹۱	جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہر وقت خدا کو یاد کیا کرتے ہیں۔

یہ آپ کی زندگی کا نقشہ تھا، چنانچہ حضرت عائشہ کہتی ہیں، آپ ہر وقت اور ہر خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے

آپ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا، مگر خود آپ کا حال کیا تھا، عام پیرووں کو تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا، مگر خود آپ آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے، طلوع آفتاب کے بعد اشراق، کچھ اور دن چڑھنے پر چاشت، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشا، پھر تہجد، پھر صبح، عام مسلمانوں پر تو صبح کو دو رکعتیں، مغرب کو تین، اور بقیہ اوقات میں چار چار رکعتیں فرض ہیں گویا کل شب و روز میں سترہ رکعتیں ہیں، مگر آنحضرت صلعم ہر روز کم و بیش پچاس ساٹھ رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے، پنجوقتہ نماز کی فرضیت کے بعد تہجد کی نماز عام مسلمانوں سے معاف ہوگئی تھی، مگر آنحضرت صلعم اس کو بھی تمام عمر ہر شب ادا فرماتے رہے، اور پھر کیسی نماز کہ رات رات بھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے، کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آجاتا، حضرت عائشہؓ عرض کرتیں، اللہ نے تو آپ کو ہر طرح معاف کر دیا ہے، پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، فرماتے "اے عائشہ! کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں" یعنی یہ نماز خشیۃ الٰہی سے نہیں ہے، بلکہ محبت الٰہی اس کا منشا ہے، رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپ سجدہ کرنا بھول گئے،

نبوت کے آغاز ہی سے آپ نماز پڑھتے تھے، کفار آپ کے سخت دشمن تھے، مگر باایں ہمہ آپ حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے، کئی دفعہ نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپ پر حملہ کیا، مگر اس پر بھی خدا کی یاد سے باز نہ آئے، سب سے سخت موقع نماز کا وہ ہوتا تھا، جب کفار کی فوجیں مقابل ہوتیں، تیر و خنجر چلتے ہوتے، لیکن ادھر نماز کا وقت آیا، اور ادھر ہر صفیں درست ہوگئیں، بدر کے معرکہ میں تمام مسلمان دشمنوں کے مقابل کھڑے تھے، مگر خود ذات اقدس خدا کے آگے سجدہ میں جھکی ہوئی تھی، تمام عمر میں کوئی نماز عموماً اپنے وقت سے نہیں ہٹی، اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کسی وقت کی نماز قضا ہوئی، ایک تو غزوۂ خندق میں کافروں نے عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا، اور ایک دفعہ اور کسی غزوہ کے سفر میں رات بھر چل کر صبح کو تمام لوگ سو گئے تو آپ نے بعد کو نماز قضا ادا کی، اس سے زیادہ یہ کہ مرض الموت میں شدت کا بخار تھا۔ بہت تکلیف تھی، مگر نماز، حتیٰ کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی، قوت جواب دے چکی تھی مگر دو صحابیوں کے کندھوں پر سہارا دے کر مسجد تشریف لائے، وفات سے تین دن پہلے جب آپ نے اٹھنے کا قصد کیا تو غشی طاری ہوئی اور یہی حالت تین دفعہ پیش آئی، اس وقت نماز باجماعت ترک ہوئی،

یہ تھا خدا کی عبادت گذاری اور یاد کا عملی نمونہ،

آپ نے روزہ کا حکم دیا، عام مسلمانوں پر سال میں تیس دن کے روزے فرض ہیں، مگر خود آپ کی کیفیت کیا تھی، کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں جب آپ روزے رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا، کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے، آپ نے مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی، مگر خود آپ کا یہ حال تھا، کہ کبھی دو دو تین تین دن بیچ میں کچھ کھائے پیے بغیر متصل روزہ رکھتے تھے، اور اس عرصہ میں ایک دانہ بھی منہ میں نہیں جاتا تھا، صحابہؓ اس کی تقلید کرنا چاہتے تو فرماتے "تم میں سے کون میرے مانند ہے مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے"، سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان پورے کے پورے روزے میں گذرتے تھے، ہر مہینہ کے ایام بیض (۱۳-۱۴-۱۵) میں اکثر روزے رکھتے محرم کے دس دن اور شوال کے ۶ دن روزوں میں گذرتے، ہفتہ میں دوشنبہ اور جمعرات کا دن روزوں میں بسر ہوتا،

یہ تھا روزوں کے متعلق آپ کا عملی نقشہ زندگی،

آپ نے لوگوں کو زکوٰۃ و خیرات کا حکم دیا، تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا حضرت خدیجہ کی شہادت تم سن چکے ہو کہ انہوں نے کہا "یا رسول اللہ آپ قرضداروں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں" مگر آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے آؤ، نہ گھر بار لٹا دینے کا حکم فرمایا، نہ آسمان کی بادشاہت کا دروازہ دولتمندوں پر بند کیا، بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دے کر خدا کا حق بھی ادا کرو۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ، مگر خود آپ کا عمل یہ تھا

کہ جو کچھ آیا خدا کی راہ میں خرچ ہو گیا مغزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی نہ تھی، مگر وہ سب غیروں کے لیے تھا، اپنے لیے کچھ نہ تھا۔ وہی فقر و فاقہ تھا، فتح خیبر کے بعد یعنی ۷ھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لیے تمام ازواج مطہراتؓ کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا، مگر سال تمام بھی نہیں ہونے پاتا تھا کہ غلہ تمام ہو جاتا تھا اور فاقہ پر فاقہ شروع ہو جاتا تھا، کیونکہ غلہ کا بڑا حصہ اہل حاجت کے نذر کر دیا جاتا تھا حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے، اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان المبارک میں فرماتے تھے، تمام عمر کسی سوال کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا، کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے، کتنی ہی تھوڑی چیز ہوتی، مگر آپ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے، لوگوں کو عام حکم دیا تھا کہ "جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کی اطلاع مجھے دو کہ میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس نے ترکہ چھوڑا ہو تو اس کے حقدار اس کے وارث ہوں گے"۔ ایک دفعہ ایک بدو نے آکر کہا "اے محمدؐ! یہ مال نہ تیرا ہے، اور نہ تیرے باپ کا ہے، میرے اونٹ لدوا دے"۔ آپ نے اس کے اونٹ کو جو اور کھجوروں سے لدوا دیا، اور اس کے کہنے کا برا نہ مانا۔ فرمایا کرتے انما انا قاسم وخازن واللہ یعطی۔ "میں تو بانٹنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں، اصل دینے والا تو خدا ہے"۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپ کے ساتھ ایک راستے سے گذر رہا تھا، راہ میں آپ نے فرمایا "ابوذر! اگر احد کا یہ پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے" البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لیے کچھ رکھ چھوڑوں۔"

دستور یہ محمد رسول اللہؐ کے صرف خوشنما الفاظ نہ تھے، بلکہ یہ آپ کے عزم صادق کا اظہار تھا، اور اسی پر آپ کا عمل تھا، بحرین سے ایک دفعہ خراج کا لدا ہوا خزانہ آیا، فرمایا کہ صحن مسجد میں ڈال دیا جائے، صبح کی نماز کے لیے آپ تشریف لائے تو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپ نے خزانہ کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا، نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا، جب سب ختم ہو گیا تو دامن جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ گویا کوئی غبار تھا جو دامنِ مبارک پر پڑ گیا تھا، ایک دفعہ فدک سے چار اونٹوں پر غلہ لد کر آیا، کچھ قرض تھا وہ ادا کیا گیا، کچھ لوگوں کو دیا گیا، حضرت بلالؓ سے دریافت کیا کہ کچھ بچ تو نہیں رہا، عرض کی اب کوئی لینے والا نہیں ملا اس لیے کچھ بچ رہا ہے، فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا، چنانچہ رات مسجد میں بسر کی، صبح کو حضرت بلالؓ نے آکر بشارت دی کہ "یارسول اللہ خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا، یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم ہو گیا"۔ آپ نے خدا کا شکر کیا، ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً اندر تشریف لے گئے، اور پھر باہر آ گئے، لوگوں کو تعجب ہوا، فرمایا "مجھ کو نماز میں یاد آیا کہ سونے کا ٹکڑا سا گھر میں پڑا رہ گیا ہے خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آ جائے اور وہ محمدؐ کے گھر میں پڑا رہ جائے"۔ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ ملول اور رنجیدہ اندر تشریف لائے میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا ام سلمہ! کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہو گئی اور وہ نابستر پر پڑے رہ گئے اس پر بڑھ کر یہ ہے کہ آپ مرض الموت میں ہیں، بیماری کی سخت تکلیف سے نہایت بے چینی ہے، لیکن اسی وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں، حکم ہوتا ہے کہ انہیں خیرات کر دو، کیا محمدؐ اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں"۔

یہ تھی اس باب میں آپ کی زندگی کی عملی مثال۔

آپ نے زہد و قناعت کی تعلیم دی، لیکن اس راہ میں آپ کا طرز عمل کیا تھا، سن چکے ہو کہ عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ، خراج، عشر اور زکوٰۃ و صدقات کے خزانے لدے چلے آتے تھے، مگر امیر عرب کے گھر میں وہی فقر تھا، اور وہی فاقہ تھا، آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ کہا کرتی تھیں کہ حضور اس دنیا سے تشریف لے گئے، مگر دو وقت بھی سیر ہو کر آپ کو کھانا نصیب نہ ہوا، وہی بیان کرتی ہیں کہ جب آپ نے وفات پائی تو گھر میں اس دن کے کھانے کے لیے تھوڑے سے جو کے سوا کچھ موجود نہ تھا، اور چند سیر جو کے بدلہ میں آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں رہن تھی، آپ فرمایا کرتے تھے کہ "فرزند آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کو ایک جھونپڑا، تن ڈھانکنے کو ایک کپڑا، پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی"۔ (ترمذی) یہ محض الفاظ کی خوشنما بندش نہ تھی، بلکہ یہی آپ کی طرز زندگی کا عملی نقشہ تھا، رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا، جس میں کچی دیوار اور کھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں آپ کا کپڑا تہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا، یعنی جو بدن مبارک پر کپڑا ہوتا تھا، اس کے سوا کوئی اور کپڑا ہی نہیں ہوتا تھا جو تہ کیا جاتا، ایک دفعہ ایک سائل خدمت اقدس میں آیا اور بیان کیا کہ سخت بھوکا ہوں، آپ نے ازواج مطہراتؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو ہو تو بھیج دیں، ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ "گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے"، ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہیں، اور بھوک کی تکلیف سے کروٹیں بدل رہے ہیں، ایک دفعہ صحابہؓ نے آپ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ ان پر ایک ایک پتھر بندھا ہے، آپ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے تھے۔ یعنی دو دن سے فاقہ تھا۔ اکثر بھوک کی وجہ سے آواز میں کمزوری اور نقاہت آ جاتی تھی، ایک دن دولت خانہ سے نکلے تو بھوک کے مارے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے، وہ نخلستان سے کھجوریں توڑ لائے، اور کھانے کا سامان کیا، کھانا جب سامنے آیا تو آپ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہ کو بھجوا دو، کئی روز سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔

آپ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ اور حضرت حسنین علیہما السلام سے بڑی محبت تھی، مگر یہ محبت امیر عرب نے بیش قیمت کپڑوں اور سونے چاندی کے زیورات کے ذریعہ سے ظاہر نہیں فرمائی، ایک دفعہ حضرت علیؓ کا دیا ہوا ایک سونے کا ہار حضرت فاطمہؓ کے گلے میں دیکھا تو فرمایا، اے فاطمہ! تم کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ محمدؐ کی بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہے، حضرت فاطمہؓ نے اسی وقت وہ طوق اتار کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا، اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے سونے کے کنگن پہنے تو اتروا دیئے، کہ محمدؐ کی بیوی کو یہ زیبا نہیں، فرمایا کرتے تھے کہ "انسان کے لیے دنیا میں اتنا ہی کافی ہے، جس قدر ایک مسافر کو زاد راہ"! یہ قول تھا۔ اور عمل یہ تھا کہ ایک دفعہ کچھ جان نثار ملنے آئے تو دیکھا کہ پہلو میں چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں، عرض کی یا رسول اللہ! ہم لوگ ایک نرم گدا بنا کر حاضر کرنا چاہتے ہیں، فرمایا مجھ کو دنیا سے کیا غرض؛ مجھ کو دنیا سے اسی قدر تعلق ہے، جس قدر راہ سوار کو جو راستہ چلتے تھوڑی دیر کے لیے کہیں سایہ میں آرام کرتا ہے، اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے، جس وقت میں جب اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی، آپ کے توشہ خانہ کی مالیت یہ تھی، جسم مبارک پر ایک تہبند، ایک کھری چارپائی، سرھانے ایک تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی، ایک طرف تھوڑے سے جو، ایک کونے میں ایک جانور کی کھال، کھونٹی میں پانی کے مشکیزے!

یہ تھا زہد و قناعت کی تعلیم کے ساتھ اس پر آپ کا عمل،

دوستو! ایثار کا وعظ کہنے والوں کو تم نے بہت دیکھا ہوگا، مگر کیا کسی ایثار کے وعظ کہنے والے کے صحیفۂ سیرت میں اس کی مثال بھی دیکھی ہے، اس کی مثال مدینہ کی گلیوں میں ملے گی، آپ نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی ان کے سامنے اپنا نمونہ بھی پیش کیا، حضرت فاطمہؓ سے آپ کو جو محبت تھی وہ ظاہر ہے، مگر انہی حضرت فاطمہ عسرت اور تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں، اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے، ایک دن انہوں نے حاضر ہو کر پدر بزرگوار سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی، ارشاد ہوا، اے فاطمہ! اب تک صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے، تو تمہاری درخواست کیوں کر قبول ہو، دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا، فاطمہ بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے، ایک دفعہ آپ کے پاس چادر نہ تھی، ایک صحابیہؓ نے لا کر پیش کی، اسی وقت ایک صاحب نے کہا کیسی اچھی چادر ہے، آپ نے فوراً اتار کر ان کے نذر کر دی، ایک صحابیؓ کے گھر کوئی تقریب تھی، مگر کوئی سامان نہ تھا، ان سے کہا عائشہؓ کے پاس جا کر آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، وہ گئے اور جا کر لے آئے۔ حالانکہ آپ کے گھر میں اس آٹے کے سوا رات کے کھانے کو کچھ نہ تھا، ایک دن صفہ کے غریبوں کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا جو کچھ کھانے کو ہو لاؤ، جو کی پکی پکائی ہوئی کھانا حاضر کیا گیا وہ کافی نہ تھا، کوئی اور چیز طلب کی، تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا، پھر پیالہ میں دودھ آیا مگر یہی سامان مہمانی کی آخری قسط گھر میں تھی،

یہ تھا ایثار اور اس پر عمل،

خدا پر اعتماد، توکل اور بھروسہ کی شان دیکھنا ہو تو محمد رسول اللہ میں دیکھو، حکم تھا کہ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر و استقلال دکھایا تو بھی دکھا، آپ نے وہی کر کے دکھا دیا، آپ ایک ایسی جاہل اور ان پڑھ قوم میں پیدا ہوئے تھے جو اپنے معتقدات کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھی، اور اس کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی تھی، مگر آپ نے اس کی کبھی پروا نہ کی، عین حرم میں جا کر توحید کی آواز بلند کرتے تھے، اور وہاں سب کے سامنے نماز ادا کرتے تھے، حرم محترم کا صحن قریش کے رئیسوں کی نشست گاہ تھا، آپ اُن کے سامنے کھڑے ہو کر رکوع و سجود کرتے تھے، جب آیت فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (اے محمد جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اس کو علی الاعلان سنا دو) نازل ہوئی تو آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قریش کو پکارا، اور خدا نے برحق کا حکم پہنچایا،

قریش نے آپ کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، کس کس طرح اذیتیں نہیں پہنچائیں، جسم مبارک پر صحن حرم کے اندر نجاست ڈالی، گلے میں چادر ڈال کر پھانسی دینے کی کوشش کی راستہ میں کانٹے بچھائے، مگر آپ کے قدم کو راہ حق سے لغزش نہ ہوئی تھی نہ ہوئی ابوطالب نے جب حمایت سے ہاتھ اٹھا لینے کا اشارہ کیا تو آپ نے کس جوش اور ولولہ سے فرمایا کہ "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب بھی رکھ دیں تب بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤں گا" آخر آپ کو بنی ہاشم کے پہاڑی درہ میں تین سال تک گویا قید رکھا گیا، آپ کا اور آپ کے خاندان کا مقاطعہ کیا گیا اندر غلہ جانے کی روک تھام کی گئی، بچے بھوک سے بلبلاتے تھے، اجوان درخت کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے، آخر آپ کے قتل کی سازش ہوئی، یہ سب کچھ ہوا، مگر صبر و استقلال کا سر رشتہ آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا، ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لیتے ہیں، کفار آپ کا پیچھا کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں، اے یار و مددگار نہتے محمد صلعم اور مسلح قریش کے درمیان چند گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، ابوبکر گھبرا اٹھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ہم دو ہی ہیں، لیکن ایک تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے، ابوبکر ہم دو نہیں تین ہیں لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا، "گھبراؤ نہیں ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے اسی ہجرت کے زمانہ میں اثنائے راہ میں آنحضرت صلعم کی گرفتاری کے لیے سراقہ بن جعشم نیزہ ہاتھ میں لیے گھوڑا دوڑاتا ہوا آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے، حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں، یا رسول اللہ! ہم پکڑ لیے گئے، مگر وہاں محمد رسول اللہ کے لب بدستور تلاوت قرآن میں مصروف ہیں، اور دل کی سکینت کا وہی عالم ہے

مدینہ پہنچ کر یہود کا منافقین کا اور قریش کے غارتگروں کا ڈر تھا، لوگ آنحضرت صلعم کے مسکن کا راتوں کو پہرا دیتے تھے، کہ ایک دفعہ یہ آیت نازل ہوئی وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی خدا تجھ کو لوگوں سے بچائے گا" اسی وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر پہرے کے سپاہیوں سے فرمایا، لوگو واپس جاؤ، مجھے چھوڑ دو کہ میری حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے لی ہے"

غزوۂ نجد سے واپسی میں آپ ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے ہیں، صحابہؓ ادھر ادھر ہٹ گئے ہیں، ایک بدو تلوار کھینچ کر سامنے آتا ہے، آپ بیدار ہوتے ہیں، موقع کی نزاکت کو دیکھو، بدو پوچھتا ہے، بتاؤ اے محمدؐ آپ کو اب تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے، اطمینان اور تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے، کہ اللہ! اس پُر اثر جواب سے دشمن متاثر ہو جاتا ہے، اور تلوار نیام میں پہنچ جاتی ہے،

بدر کا معرکہ ہے، تین سو نہتے مسلمان ایک ہزار لوہے میں غرق قریشی لشکر سے نبرد آزما ہیں، مگر ان تین سو سپاہیوں کا سپہ سالار خود کہاں ہے جو معرکۂ کارزار سے الگ خدا کی بارگاہ میں دست بدعا ہے، کبھی پیشانی زمین پر ہوتی ہے، اور کبھی ہاتھ آسمان کی جانب اٹھتے ہیں، کہ خداوندا! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت صفحۂ عالم سے مٹ گئی تو پھر کوئی تیرا پرستار اس دنیا میں باقی نہ رہے گا"

ایسے موقعے بھی آئے ہیں کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، اور وہ پیچھے ہٹ گئے مگر خدا کی نصرت اور مدد پر اعتماد کامل اور پورا بھروسہ رکھنے والا پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہا، احد میں اکثر مسلمانوں نے قدم پیچھے ہٹا لیے، مگر محمد رسول اللہ اپنی جگہ پر تھے پتھر کھائے تیروں، تلواروں اور نیزوں کے حملے ہو رہے تھے، خود کی کڑیاں رخسار میں دھنس گئی تھیں، دندان مبارک شہید ہو چکا تھا، چہرہ اقدس زخمی ہو رہا تھا مگر اس وقت بھی اپنا ہاتھ لوہے کی تلوار پر نہیں رکھا، بلکہ خدا ہی کی نصرت پر بھروسا اور اعتماد رہا کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا پورا یقین تھا، حنین کے میدان میں ایک دفعہ دس ہزار تیروں کا جب مینہ برسا، تو تھوڑی دیر کے لیے مسلمان پیچھے ہٹ گئے، مگر ذات اقدس اپنی جگہ پر تھی، ادھر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی، اور ادھر سے انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبد المطلب۔ (میں پیغمبر ہوں جھوٹ نہیں ہے میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں) کا نعرہ بلند تھا، سواری سے نیچے اتر آئے اور فرمایا میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں اور پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے،

عزیزو! تم کسی اور ایسے سپہ سالار کا حال بھی معلوم ہے، جس کی بہادری اور استقلال کا یہ عالم ہو کہ فوج کتنی ہی کم ہو، کتنی ہی غیر مسلح ہو، وہ اس کو چھوڑ کر پیچھے بھی کیوں نہ ہٹ گئی ہو، مگر وہ نہ تو اپنی جان کے بچانے کے لیے بھاگتا ہے، اور نہ اپنی حفاظت کے لیے تلوار اٹھاتا ہے، بلکہ ہر حال میں زمین کی طاقتوں سے غیر مسلح ہو کر آسمان کی طاقتوں سے مسلح ہونے کی درخواست کرتا ہے،

یہ تھی اس راہ میں آپ کی عملی مثال!

تم نے دشمنوں کو پیار کرنے کا وعظ سنا ہوگا، لیکن اس کی عملی مثال نہیں دیکھی ہوگی آؤ مدینہ کی سرکار میں میں تم کو دکھاؤں، مکہ کے حالات چھوڑتا ہوں کہ میرے نزدیک محکومی، بیکسی اور معذوری، عفو و درگذر اور رحم کے ہم معنی نہیں ہے، ہجرت کے وقت قریش کے رئیس یہ اشتہار دیتے ہیں کہ جو محمدؐ کا سر قلم کر لائے گا، اس کو سو اونٹ انعام دیے جائیں گے، سراقہ بن جعشم اس انعام کے لالچ میں مسلح ہو کر آپ کے تعاقب میں گھوڑا ڈالتا ہے، قریب پہنچ جاتا ہے، حضرت ابوبکرؓ گھبرا جاتے ہیں، حضورؐ دعا کرتے ہیں، تین دفعہ گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں، سراقہ تیر کے پانسے نکال کر فال دیکھتا ہے، ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ ان کا پیچھا نہ کرو، نفسی یعنی سائیکولاجیکل حیثیت سے سراقہ مرعوب ہو چکا ہے، واپسی کا عزم کر لیتا ہے، حضورؐ کو آواز دیتا ہے اور خط امان کی درخواست کرتا ہے، کہ جب حضورؐ کو خدا قریش پر غالب کرے تو مجھ سے باز پرس نہ ہو، آپ یہ امان نامہ لکھوا کر اس کے حوالہ کرتے ہیں، فتح مکہ کے بعد وہ اسلام لاتا ہے، تاہم آپ اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ سراقہ تم ! رے اس دن کے جرم کی ایک کیا سزا ہو،

ابوسفیان کون ہے! وہ جو بدر، احد، خندق وغیرہ لڑائیوں کا سرغنہ تھا جس نے کتنے مسلمانوں کو تہ تیغ کرایا، جس نے کتنی دفعہ خود حضور سرور عالمؐ کے قتل کا فیصلہ کیا جو ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا، لیکن فتح مکہ سے پہلے جب حضرت عباس کے ساتھ آپ کے سامنے آتا ہے، تو گو اس کا ہر جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے مگر رحمت عالمؐ کا عفو عام ابوسفیان سے کہتا ہے کہ ڈر کا مقام نہیں، محمد رسول اللہ انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں، پھر حضورؐ نہ صرف اس کو معاف فرماتے ہیں، بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں من دخل دار ابی سفیان کان امنا۔" جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے"

ہند ابوسفیان کی بیوی، وہ ہند جو احد کے معرکہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گا گا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی ہے، وہ جو حضورؐ کے سب سے محبوب چچا اور اسلام کے ہیرو حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرتی ہے، ان کا سینہ چاک کرتی ہے ان کے کان ناک کاٹ کر ہار بناتی ہے، کلیجہ کو نکال کر چبانا چاہتی ہے، لڑائی کے بعد اس منظر کو دیکھ کر آپ بیتاب ہو جاتے ہیں، وہ فتح مکہ کے دن نقاب پوش سامنے آتی ہے، اور یہاں بھی گستاخی سے باز نہیں آتی، لیکن حضورؐ پھر بھی کچھ تعرض نہیں فرماتے ہیں اور یہ بھی نہیں پوچھتے کہ تم نے یہ کیوں کیا، عفو عام کی اس معجزانہ مثال کو دیکھ کر وہ پکار اٹھتی ہے" اے محمدؐ آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے مجھے نفرت

ذلتھی، لیکن آج تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں ہے،

وحشی حضرت حمزہؓ کا قاتل، فتح طائف کے بعد بھاگ کر کہیں چلا جاتا ہے، اور جب وہ مقام بھی فتح ہو جاتا ہے تو کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ملتی، لوگ کہتے ہیں وحشی تم نے ابھی محمدؐ کو پہچانا نہیں، تمہارے لیے خود محمدؐ کے آستانہ سے بڑھ کر کوئی دوسری جائے امن نہیں ہے، وحشی حاضر ہو جاتا ہے، حضورؐ دیکھتے ہیں، آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں، پیارے چچا کی شہادت کا منظر سامنے آجاتا ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، قاتل سامنے موجود ہے، مگر صرف یہ ارشاد ہوتا ہے، وحشی جاؤ میرے سامنے نہ آیا کرو، کہ شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے،

عکرمہؓ، اسلام، مسلمانوں اور خود محمد رسول اللہ صلعم کے سب سے بڑے دشمن یعنی ابوجہل کے بیٹے تھے، جس نے آپ کو سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں، وہ خود بھی اسلام کے خلاف لڑائیاں لڑ چکے تھے، مکہ جب فتح ہوا تو ان کو اپنے اور اپنے خاندان کے تمام جرم یاد تھے، وہ بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں، اور محمد رسول اللہ کو پہچان چکی تھیں، وہ خود یمن گئیں، عکرمہؓ کو تسکین دی، اور ان کو لے کر مدینہ آئیں، حضورؐ کو ان کی آمد کی خبر ہوتی ہے، تو ان کے خیر مقدم کے لیے اس تیزی سے اٹھتے ہیں کہ جسم مبارک پر چادر تک نہیں رہتی، پھر جوش مسرت میں فرماتے ہیں مرحبا بالراکب المہاجر، اے مہاجر سوار تمہارا آنا مبارک! غور کرو، یہ مبارکباد کس کو دی جا رہی ہے، یہ خوشی کس کے آنے پر ہے، یہ معافی نامہ کس کو عطا ہو رہا ہے، اس کو جس کے باپ نے آپ کو مکہ میں سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں، جس نے آپ کے جسم مبارک پر نجاست ڈلوائی، جس نے بحالت نماز آپ پر حملہ کرنا چاہا، جس نے آپ کے گلے میں چادر ڈال کر آپ کو پھانسی دینی چاہی، جس نے دار الندوہ میں آپ کے قتل کا مشورہ دیا، جس نے بدر کا معرکہ برپا کیا، اور ہر قسم کی صلح کی تدبیر کو برہم کیا، آج اسی کی جسمانی یادگار کی آمد پر یہ مسرت اور شادمانی۔

ہبار بن الاسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے حضرت کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل ہے، اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہو چکا ہے، مکہ کی فتح کے موقع پر اس کا خون ہدر کیا جاتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے لیکن پھر کچھ سوچ کر سیدھا در دولت پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے، یا رسول اللہ! میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا، لیکن پھر مجھے حضور کا رحم و کرم اور عفو و حلم یاد آیا، میں حاضر ہوں، میرے جرائم کی جو اطلاعیں آپ کو ملی ہیں وہ سب درست ہیں، اتنا سنتے ہی آپ کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور دوست و دشمن کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

عمیر بن وہب بدر کے بعد ایک قریشی رئیس کی سازش سے اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آتا ہے، اور اس تاک میں رہتا ہے کہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپ کا کام تمام کر دے، کہ ناگاہ وہ گرفتار ہو جاتا ہے، آپ کے پاس لایا جاتا ہے، اس کا گناہ ثابت ہو جاتا ہے، مگر وہ رہا کر دیا جاتا ہے،

صفوان بن امیہ یعنی وہ رئیس جس نے عمیر کو آپ کے قتل کے لیے بھیجا تھا، اور جس نے عمیر سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس مہم میں مارے گئے تو تمہارے اہل و عیال اور قرضہ کا میں ذمہ دار ہوں، فتح مکہ کے بعد وہ ڈر کر جدہ بھاگ جاتا ہے کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلا جائے، وہی عمیر خدمت نبوی میں آکر عرض کرتے ہیں، کہ یا رسول اللہ! صفوان اپنے قبیلہ کا رئیس ڈر کی وجہ سے بھاگ گیا ہے کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دے، ارشاد ہوتا ہے، "اس کو امان ہے۔" عمیر دوبارہ گذارش کرتے ہیں کہ اس امان کی کوئی نشانی مرحمت ہو کہ اس کو یقین آئے۔ آپ اپنا عمامہ اٹھا کر دے دیتے ہیں، عمیر یہ عمامہ لے کر صفوان کے پاس پہنچتے ہیں، صفوان کہتا ہے "مجھے محمدؐ کے پاس جانے میں اپنی جان کا خوف ہے۔" وہ عمیر جو زہر میں تلوار بجھا کر محمد رسول اللہ کو مارنے گئے تھے، صفوان سے کہتے ہیں "اے صفوان! ابھی تم کو محمدؐ کے حلم اور عفو کا حال معلوم نہیں ہے۔" صفوان آستانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم نے مجھے امان دی ہے؟ کیا یہ سچ ہے؟ ارشاد ہوتا ہے، سچ ہے، پھر کہتا ہے، لیکن میں تمہارا دین ابھی قبول نہیں کروں گا، مجھے دو مہینے کی مہلت دو، آپ فرماتے ہیں تمہیں دو نہیں چار مہینے کی مہلت ہے لیکن یہ مہلت ختم بھی نہیں ہونے پاتی کہ دفعتہً اس کے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے، اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے،

آپ خیبر جاتے ہیں جو یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز ہے، لڑائیاں ہوتی ہیں شہر فتح ہوتا ہے، ایک یہودیہ دعوت کرتی ہے، آپ بلا پس و پیش منظور فرماتے ہیں۔ یہودیہ جو گوشت پیش کرتی ہے اس میں زہر ملا ہوتا ہے، آپ گوشت کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہیں کہ آپ کو اطلاع ہو جاتی ہے، یہودیہ بلائی جاتی ہے، وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے، لیکن رحمت عالمؐ کے دربار سے اس کو کوئی سزا نہیں ملتی، حالانکہ اس زہر کا اثر آپ کو اس کے بعد عمر بھر محسوس ہوتا رہا،

غزوہ نجد سے واپسی کے وقت آپ تنہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں، دوپہر کا وقت ہے، آپ کی تلوار درخت سے لٹک رہی ہے، صحابہؓ ادھر ادھر درختوں کے سایہ میں لیٹے ہیں، کوئی پاس نہیں ہے، ایک بدو تاک میں رہتا ہے، وہ اس وقت سیدھا آپ کے پاس آتا ہے، درخت سے آپ کی تلوار اتارتا ہے، پھر نیام سے باہر کھینچتا ہے، کہ آپ کی آنکھ کھل جاتی ہے، وہ تلوار ہلا کر پوچھتا ہے، "محمدؐ! بتاؤ اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے؟" ایک پر اطمینان صدا آتی ہے کہ "اللہ!" اس غیر متوقع جواب کو سن کر وہ مرعوب ہو جاتا ہے، تلوار نیام میں کر لیتا ہے

صحابہؓ آجاتے ہیں، بدو بیٹھ جاتا ہے اور آپ اس سے کوئی تعرض نہیں فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ اور ایک کافر گرفتار ہو کر آتا ہے، کہ یہ قتل کے لیے آپ کی گھات میں تھا وہ سامنے پہنچتا ہے تو آپ کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے، آپ اس کو تسلی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم قتل کرنا چاہتے بھی تب بھی نہیں کر سکتے تھے، غزوۂ مکہ میں اسی آدمیوں کا دستہ گرفتار ہوا، جو جبل تنعیم سے اتر کر آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا، آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا ان کو چھوڑ دو،

دوستو! طائف کو جانتے ہو، وہ طائف جس نے مکہ کے عہد ستم میں آپ کو پناہ نہیں دی، جس نے آپ کی بات بھی سننی نہیں چاہی، جہاں کے رئیس عبدیالیل کے خاندان نے آپ سے استہزا کیا، بازاریوں کو اشارہ کیا کہ وہ آپ کی ہنسی اڑائیں شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، اور دو رویہ کھڑے ہو گئے، اور جب آپ بیچ سے گذرتے تو دونوں طرف سے پتھر برسائے، یہاں تک کہ پائے مبارک زخمی ہو گئے، دونوں جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپ تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ شریر آپ کا بازو پکڑ کر اٹھا دیتے، جب آپ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، آنحضرت صلعم کو اس دن اس قدر تکلیف پہنچی تھی کہ نو برس کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے ایک دن دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! تمام عمر میں آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون آیا، تو آپ نے اسی طائف کا سوال دہرایا تھا، ۸ھ میں مسلمانوں کی فوج اسی طائف کا محاصرہ کرتی ہے، ایک مدت تک محاصرہ جاری رہتا ہے، قلعہ نہیں فتح ہوتا، بہت سے مسلمان شہید ہوتے ہیں، آپ واپسی کا ارادہ کرتے ہیں، پرجوش مسلمان نہیں مانتے، طائف پر بددعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں، آپ ہاتھ اٹھاتے ہیں، مگر کیا فرماتے ہیں، خداوندا! طائف کو ہدایت کر اور اس کو اسلام کے آستانہ پر جھکا دو، یہ تھا اس شہر کے حق میں دعائے خیر، وہی شہر جس نے آپ پر پتھر برسائے تھے آپ کو زخمی کیا تھا، اور آپ کو پناہ دینے سے انکار کیا تھا،

احد کے معرکہ میں دشمن حملہ کرتے ہیں، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں آپ نرغۂ اعداء میں ہوتے ہیں، آپ پر پتھر، تیر اور تلوار کے وار ہو رہے ہیں، دندان مبارک شہید ہوتا ہے، خود کی کڑیاں سر مبارک میں گڑ جاتی ہیں، چہرۂ مبارک خون سے رنگین ہو گیا ہے، اس حالت میں بھی آپ کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہیں: "وہ قوم کیسے نجات پائے گی، جو اپنے پیغمبر کے قتل کے درپے ہے، خداوندا! میری قوم کو ہدایت کر کہ وہ جانتی نہیں ہے" یہ ہے تو اپنے دشمن کو پیار کرنے کی تعلیم پر عمل، جو صرف شاعرانہ فقرہ نہیں، بلکہ عمل کا خطرناک نمونہ ہے،

وہی ابن عبد یالیل جس کے خاندان نے طائف میں آپ کے ساتھ یہ مظالم کیے تھے، جب طائف کا وفد لے کر مدینہ آتا ہے تو آنحضرت صلعم اس کو اپنی مقدس مسجد میں خیمہ گاڑ کر اتارتے ہیں، ہر روز نماز عشاء کے بعد اس کی ملاقات کو جاتے ہیں، اور اپنی

رنج بھری مکہ کی داستان سناتے ہیں، کس کو اس کو جس نے آپ پر پتھر برسائے تھے اور آپ کو ذلیل کیا تھا، یہ ہے تو اپنے دشمن کو پیار کر اور معاف کر۔

مکہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں، کس حرم کے صحن میں جہاں آپ کو گالیاں دی گئیں، آپ پر نجاستیں پھینکی گئیں، آپ کے قتل کی تجویز منظور ہوئی، قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے، ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کی ہجویں کہا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو خود اس پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکے تھے، آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، آپ پر تلواریں چلائی تھیں وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے عزیزوں کا خون ناحق کیا تھا، اُن کے سینے چاک کیے تھے اور ان کے دل و جگر کے ٹکڑے کیے تھے، وہ بھی تھے جو غریب اور بیکس مسلمانوں کو ستاتے تھے، ان کے سینوں پر اپنی جفا کاری کی آتشیں مہریں لگاتے تھے، ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے، دہکتے کوئلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے، نیزوں کی انی سے ان کے بدن کو چھیدتے تھے، آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ کے ایک اشارہ کی منتظر تھیں، دفعتہً زبان مبارک کھلتی ہے، سوال ہوتا ہے قریش! بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ جواب ملتا ہے: "محمد تو ہمارا شریف بھائی، اور شریف بھتیجا ہے"۔ ارشاد ہوتا ہے آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا، کہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ جاؤ تم سب آزاد ہو،

یہ ہے دشمن کو پیار کرنا، اور معاف کرنا، یہ ہے اسلام کے پیغمبر کا عملی نمونہ اور عملی تعلیم، جو صرف خوشنما بیانیوں اور شیریں زبانیوں تک محدود نہیں، بلکہ دنیا میں واقعہ اور عمل بن کر ظاہر ہوئی ہے۔

یہی نکتہ ہے، جس کے باعث تمام دوسرے مذہب اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں کے میٹھے میٹھے الفاظ کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں، اور بار بار انہی کو دہراتے ہیں، کہ ان کے سامان کے پاس کوئی چیز نہیں، اور اسلام اپنے پیغمبر کے صرف الفاظ نہیں، بلکہ عمل اور سنت کی دعوت دیتا ہے، محمد رسول اللہ صلعم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا،

ترکت فیکم الثقلین، کتاب اللہ و سنتی۔

میں تم میں دو مرکز ثقل چھوڑے جاتا ہوں خدا کی کتاب اور اپنا عملی راستہ،

یہی دونوں مرکز ثقل اب تک قائم ہیں اور تا قیامت قائم رہیں گے۔

اسی لیے اسلام کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبر کی سنت کی پیروی کی

بھی دعوت دیتا ہے،

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ، لوگو! تمہارے لیے خدا کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے،

اسلام خود اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب کا عملی مجسمہ، نمونہ اور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے تمام دنیا میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر کو حاصل ہے، کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتا ہے طریقہ نماز کے ناواقف سے کہتا ہے صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي "تم اس طرح خدا کی نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو" بیوی بچوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے خيركم خيركم لاهله وانا خيركم لاهلي "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے لیے سب سے اچھا ہے، اور میں اپنی بیوی بچوں کے لیے تم سب سے اچھا ہوں" آخری حج کا موقع ہے، شمع نبوت کے گرد ایک لاکھ پروانوں کا ہجوم ہے انسانوں کو خدا کا آخری پیغام سنایا جا رہا ہے عرب کے باطل رسوم اور نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سلسلہ آج توڑا جا رہا ہے، مگر تعلیم کے ساتھ ساتھ دیکھو کہ اپنی ذاتی نظیر اور عملی مثال بھی ہر قدم پر پیش کی جا رہی ہے، فرمایا:

"آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیے گئے، یعنی تم سب ایک دوسرے کے قاتلوں کو معاف کرو، اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں"

"جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج باطل کیے جاتے ہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی بیوپار توڑتا ہوں"

جان اور مال کے بعد تیسری چیز آبرو ہے، وہ غلط اور ناقابل اصلاح رسوم و رواج جن کا تعلق لوگوں کی عزت اور آبرو سے ہوتا ہے، ان کو سب سے پہلے عملاً مٹانے کی ہمت گویا بظاہر اپنی بے عزتی اور بے آبروئی کے ہم معنی ہے، اسی لیے ملک کے بڑے بڑے مصلحین کے پاؤں بھی کسی ملکی رسم و رواج کی عملی اصلاح کی جرأت مشکل سے کرتے ہیں، محمد صلعم نے لوگوں کو مساوات کی تعلیم دی، عرب میں سب سے زیادہ ذلیل غلام سمجھے جاتے تھے، آپ نے مساوات، اخوت انسانی اور جنس انسانی کی برابری کی یہ عملی مثال پیش کی کہ ایک غلام کو اپنا فرزند متبنّیٰ بنایا، عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی زیادتی و کمی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں بھی اپنے سے کم رتبہ پر تلوار چلانا عار سمجھا جاتا تھا کہ ذلیل خون اس کی شریف تلوار کو ناپاک نہ کر دے لیکن آپ نے جب یہ اعلان کیا کہ "اے لوگو! تم سب آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے بنا تھا، کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر، عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، تم میں افضل وہ ہے جو اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔

تو اس تعلیم نے دفعتہً بلند و پست، بالا و زیر، اعلیٰ و ادنیٰ، آقا و غلام سب کو ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا، لیکن ضرورت تھی عملی مثالوں کی یہ مثال خود آپ نے پیش کی، اپنی پھوپھی زاد بہن کو جو قریش کے شریف خاندان سے تھیں، اپنے غلام سے بیاہا، منہ بولے بیٹے کا قاعدہ جب اسلام میں توڑا گیا، تو سب سے پہلے زید بن محمد، زید بن حارثہ کہلائے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح عرب میں ناجائز تھا، مگر چونکہ یہ محض ایک لفظی رشتہ تھا، جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہ تھا، اور اس رسم سے بہت سی خاندانی رقابتوں اور خرابیوں کی بنیاد عربوں میں قائم ہو گئی تھی، اس لیے اس کا توڑنا ضرور تھا، لیکن اس کے توڑنے کے لیے عملی مثال پیش کرنا، انسان کی سب سے عزیز چیز آبرو سے تعلق رکھتا تھا، جو سب سے مشکل کام تھا، پیغمبر عرب آگے بڑھ کر خود اس کی مثال پیش کی اور زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے شادی کر لی، جب ہی سے یہ رسم عرب سے ہمیشہ کے لیے مٹ گئی اور متبنّیٰ کی بیہودہ رسم سے ملک نے نجات پائی،

واقعات کی انتہا نہیں ہے، مثالوں کی کمی نہیں ہے، مگر وقت محدود ہے اور آج شاید میں نے سب سے زیادہ آپ کا وقت لیا ہے۔

میرے دوستو! اپنے معروضات کی روشنی میں آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک اور شام سے لے کر ہندوستان تک، ہر ایک تاریخی انسان کی مصلحانہ زندگی پر ایک نظر ڈالو، کیا ایسی عملی ہدایتوں اور کامل مثالوں کا کوئی نمونہ کہیں نظر آتا ہے،

حاضرین چند لفظ اور!

بعض شیریں بیان واعظ شاعرانہ پیرایہ میں اپنے "خداوند" کی ربانی محبت اور الٰہی عشق کا تذکرہ کرتے ہیں، مگر انہی کے مقولے کے مطابق کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" اس پاک عشق و محبت کا کیا اثر ان کی زندگی میں نمایاں تھا، عرب کے دعویدار محبت کی سیرت پڑھو، راتیں گذرتی ہیں، دنیا سوتی ہے، اور اس کی آنکھیں جاگتی ہیں، ہاتھ خدا کے آگے پھیلے ہیں، زبان ترانہ حمد گا رہی ہے، دل پہلو میں بے تاب تڑپ رہا ہے، اور آنکھوں سے آنسوؤں کے تار جاری ہیں، کیا محبت کی یہ تصویر بے بادہ؟

حضرت عیسیٰ سولی پر چڑھتے ہیں، تو بے تابانہ زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں

"اے میرے خداوندا! اے میرے خداوندا! تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا" لیکن محمد رسول اللہ جب موت کے بستر پر ہوتے ہیں، اور زندگی کی آخری سانسیں لیتے ہوتے ہیں تو زبان پر یہ کلمہ ہوتا ہے،

"اے میرے خداوندا! اے میرے بہترین ساتھی!" ان دونوں فقروں میں سے کس میں محبت کا ذائقہ، عشق کی چاشنی، اور ربانی سکینت کا لطف ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَعَلٰى سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ۔

پیغمبر اسلام علیہ السلام کا پیغام

حضرات! میں نے پچھلے چھ لیکچروں میں دلائل اور تاریخ کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسانوں کے تمام بلند طبقوں میں سے صرف انبیاے کرام علیہم السلام کی سیرتیں تقلید اور پیروی کے لائق ہیں، اور ان میں سے عالمگیر اور دائمی نمونہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ اس مقام پر جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی عالمگیر اور دائمی نمونہ ہیں، تو سوال ہوتا ہے کہ ان کی عالمگیر اور دائمی تعلیم کیا ہے؟ وہ دنیا کو کیا پیغام دینے آئے؟ اور کیا پیغام دے کر دنیا سے تشریف لے گئے؟ ان کے پیغام کے وہ کون سے ضروری اجزاء ہیں جن کے ادا کرنے کے لیے اس پیغمبر آخر الزماں کی ضرورت پیش آئی؟ دنیا میں دوسرے پیغمبروں کے ذریعہ سے جو پیغام آئے ان کی کس طرح اس آخری پیغام نے تصحیح اور تکمیل کی؟

ہم کو تسلیم ہے کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً انبیاء کے ذریعہ سے پیغام آتے رہے، مگر جیسا کہ بار بار کہا جا چکا ہے اور واقعات کی روشنی میں دکھایا جا چکا ہے، وہ تمام پیغام کسی خاص زمانہ اور قوم کے لیے آئے اور وقتی تھے، اور اس لیے ان کی دائمی حفاظت کا سامان نہ ہوا، ان کی اصل برباد ہو گئی، مدتوں کے بعد مرتب کیے گئے، اور ان میں تحریفیں کی گئیں، ان کے ترجموں نے ان کو کچھ سے کچھ بنا دیا، ان کی تاریخی سند کا ثبوت نہیں باقی رہا، بہت سے جعلی پیغام ان میں شریک کیے گئے، اور یہ سب چند سو برس کے نذر ہو گیا۔ اگر خدا کا کام مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے، تو ان کا مٹنا اور برباد ہو جانا ہی ان کے وقتی فرمان اور عارضی تعلیم ہونے کا ثبوت ہے۔ مگر جو پیغام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا وہ عالمگیر اور دائمی ہو کر آیا، اور اسی لیے وہ جب سے آیا اب تک پوری طرح محفوظ ہے، اور رہے گا، کیونکہ اس کے بعد پھر کوئی نیا پیغام آنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی گزشتہ پیغام کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ اس کی تکمیل ہو چکی، اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار میں ہوں، دنیا کے تمام وہ صحیفے جو گم ہو چکے، ان کا گم ہو جانا ہی ان کے وقتی اور عارضی ہونے کی دلیل ہے، اور جو موجود ہیں ان کی ایک ایک آیت تلاش کر لو، ان کی تکمیل اور ان کی حفاظت کے وعدہ کے متعلق ایک حرف نہ پاؤ گے بلکہ اس کے خلاف ان کے نقص کے اشارے اور تصریحیں ملیں گی۔

حضرت موسیٰ کہتے ہیں کہ "خداوند تیرا خدا تیرے درمیان تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی طرف کان دھرو" (استثنا، ۱۸، ۱۵)۔ "میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اس سے کہوں گا وہ سب ان سے کہے گا" (استثناء ۱۸۔ ۱۹)۔ "یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا، اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا، اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ہو گی۔" (استثنا ۲۳-۲)

ان اوپر کی آیتوں میں تورات یہ صاف بتا رہی ہے کہ ایک اور نبی موسیٰؑ کے مثل آنے والا ہے، جو اپنے ساتھ ایک آتشیں شریعت بھی لائے گا، اور اس کے منہ میں خدا اپنا کلام بھی ڈالے گا۔" اس سے بالکل واضح ہے کہ حضرت موسیٰ کا پیغام آخری اور دائمی نہ تھا۔

اس کے بعد اشعیاء نبی ایک اور "رسول" کی خوشخبری سناتے ہیں، "جس کی شریعت کی راہ دریائی ممالک اور جزیرے تک رہے ہیں"۔ (باب ۴۰) ملاخی میں ہے، "دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا"۔ بنی اسرائیل کے دیگر صحیفوں اور زبور میں بھی آیندہ آنے والوں کی بشارتیں ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی اسرائیلی صحیفہ دائمی اور آخری اور مکمل نہیں تھا۔

انجیل کو دیکھو وہ اعلان کرتی ہے:

"اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا فارقلیط بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا"۔ (یوحنا ۱۴-۱۶)

"لیکن وہ فارقلیط روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔ وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا، اور سب باتیں جو کچھ میں نے تمہیں کہی ہیں، تمہیں یاد دلائے گا۔ (یوحنا ۱۴-۲۶)

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی، تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی، کیونکہ وہ اپنی نہ کہے گی؛ بلکہ جو کچھ سنے گی وہ کہے گی"۔ (یوحنا ۷-۸)

ان آیتوں میں انجیل نے صاف اعلان کیا ہے کہ وہ خدا کا آخری کلام نہیں، اور نیز یہ کہ وہ کامل بھی نہیں، ایک اور آئے گا جو مسیح کے پیغام کی تکمیل کرے گا، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اپنے بعد کسی اور آنے والے کا پیغام نہیں دیتا، جو نیا پیغام سنائے گا۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام میں کوئی نقص ہے جس کو دور کر کے وہ اس کو کامل کریگا، بلکہ وہ اپنی تکمیل کا آپ دعویٰ کرتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (مائدہ-۱) — آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر پوری کر دی اپنی نعمت

اور بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء یعنی نبوت کے سلسلہ کو بند کرنے والے ہیں۔ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ خود قرآن نے کہا ہے، اور ختم بی النبیون (اور میری ذات سے انبیاء ختم کیے گئے) حدیث نے کہا ہے (مسلم، باب المساجد)۔ الا لا نبیّ بعدی۔ (ہشیار کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) متعدد حدیثوں میں ہے۔ آپ نے فرمایا "میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں"۔ قرآن نے اپنے صحیفہ کی کسی آیت میں کسی بعد میں آنے

والے پیغامبر کے لیے کوئی جگہ نہیں چھوڑی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف وہی پیغام ربانی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں آیا، خدا کا آخری اور دائمی پیغام ہے، اور اسی لیے وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے وعدے سے خدا نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی ہے۔

دوسرا اس کے بعد سوال یہ ہے کہ پیغام محمدی کے سوا کوئی اور پیغام الٰہی بھی عالمگیر ہو کر آیا؟ بنی اسرائیل کے نزدیک دنیا صرف بنی اسرائیل سے عبارت ہے۔ خدا صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے۔ اسی لیے بنی اسرائیل کے انبیاء اور صحیفوں نے کبھی غیر بنی اسرائیل تک خدا کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اب تک بھی یہودی مذہب اور موسوی شریعت بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ تمام صحیفوں میں صرف انہی کو خطاب کیا گیا ہے، اور ان کو ان کے خاندانی خدا کی طرف ہمیشہ ملتفت کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے بھی اپنا پیغام بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک محدود رکھا اور غیر اسرائیلی کو اپنا پیغام سنا کر "بچوں کی روٹی کتوں کو دینی پسند نہ کی"۔ ہندوستان کے وید بھی غیر آریوں کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتے کہ ان کے علاوہ تو تمام دنیا شودر ہے اور وہاں یہ تاکید ہے کہ اگر وید کے شبد شودر کے کانوں میں پڑ جائیں تو اس کے کانوں میں سیسہ ڈال دیا جائے۔

پیغام محمدی دنیا میں خدا کا پہلا اور آخری پیغام ہے، جو کالے گورے، عرب و عجم، ترک و تاتار، ہندی و چینی، زنگ و فرنگ، سب کے لیے عام ہے۔ جس طرح اس کا خدا تمام دنیا کا خدا ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ "تمام دنیا کا پروردگار ہے"۔ اسی طرح اس کا رسول تمام دنیا کا رسول رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ، "تمام دنیا کے لیے رحمت ہے"، اور اس کا پیغام بھی تمام دنیا کے لیے پیغام ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (انعام ۱) — نہیں ہے مگر نصیحت تمام دنیا کے لیے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فرقان-۱۵) — برکت والا ہے وہ (خدا) جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ والی کتاب اتاری تاکہ وہ تمام دنیا کو ہوشیار کرنے والا ہو۔ وہ (خدا) کہ اسی کی ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی۔

آپ تمام دنیا کے نذیر ہو کر آئے، جہاں تک خدا کی سلطنت ہے وہاں تک آپ کی پیغامبری کی وسعت ہے، سورۂ اعراف میں ہے:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — کہہ دے اے لوگو! میں تم سب کی طرف (اس) اللہ کا رسول ہوں، جس کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔

دیکھو اس میں بھی پیغام محمدی کی وسعت ساری کائنات تک بتائی گئی ہے، اس سے زیادہ یہ کہ جہاں تک اس پیغام کی آواز پہنچ سکے، سب اس کے دائرے میں ہے۔

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام) — اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس سے میں تم کو ہوشیار کروں اور جس تک یہ پہنچے اس کو (ہوشیار کروں)

اور بالآخر:

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا) — اور ہم نے نہیں بھیجا تم کو (اے محمدؐ) لیکن تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ہوشیار کرنے والا (بنا کر)

ان حوالوں سے یہ امر پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ سارے مذہبوں میں صرف اسلام نے اپنے دائمی اور آخری اور کامل اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا "مجھ سے پہلے تمام انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور میں تمام قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں"۔ یہ ہمارے دعویٰ کا مزید ثبوت ہے، اور تاریخ کی عملی شہادت ہماری تائید میں ہے۔ الغرض کہنا یہ ہے کہ پیغام محمدی بھی اسی طرح کامل، دائمی اور عالمگیر ہے، جس طرح اس پیغام کے لانے والے کی سیرت اور اس کا عملی نمونہ کامل، دائمی اور عالمگیر ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کامل و دائمی و عالمگیر پیغمبر کا آخری، دائمی اور عالمگیر پیغام کیا ہے جس نے تمام مذاہب کی تکمیل کی، اور ہمیشہ کے لیے خدا کے دین کو مکمل اور خدائی نعمت کو تمام کر دیا۔

ہر مذہب کے دو جز ہیں، ایک کا تعلق انسان کے دل سے، اور دوسرے کا انسان کے باقی جسم اور مال و دولت سے ہے۔ پہلے کو ایمان اور دوسرے کو عمل کہتے ہیں۔ عمل کے تین حصے ہیں۔ ایک خدا سے متعلق ہے جس کو عبادات کہتے ہیں۔ دوسرا انسان کے باہمی کاروبار سے متعلق ہے جس کو معاملات کہتے ہیں، اور جن کا بڑا حصہ قانون ہے۔ تیسرا انسان کے باہمی تعلقات اور روابط کی بجاآوری سے ہے، اس کو اخلاق کہتے ہیں۔ غرض اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاق، مذہب کے یہی چار جز ہیں، اور یہ چاروں جز پیغام محمدی کے ذریعہ سے تکمیل کو پہنچے ہیں۔

توراۃ اور انجیل میں عقائد کا حصہ بالکل ناصاف اور غیر واضح ہے۔ اس میں خدا کے وجود اور توحید کا بیان ہے، لیکن دلیلوں اور ثبوتوں سے معرا۔ خدا کے صفات جو اصل میں روح انسانی کی بالیدگی کا ذریعہ ہیں، اور جن کے ذریعہ سے خدا کی معرفت اور محبت ہو سکتی ہے، نہ توراۃ میں ہیں اور نہ انجیل میں۔ توحید کے بعد رسالت ہے۔ رسالت اور نبوت کی حقیقت، وحی، الہام و مکالمہ کی تشریح، انبیائے کرام کی حیثیت انسانی، انبیاء کا ہر قوم میں ہونا، انبیاء کے فرائض، انبیاء کو کس حیثیت سے تسلیم کرنا چاہیے، انبیاء کی معصومیت۔ ان تمام مسائل سے پیغام محمدی سے پہلے کے تمام پیغامات خالی ہیں۔ جزا و سزا، دوزخ و جنت، حشر و نشر، قیامت و حیات آخرت۔ توراۃ میں ان کے نہایت

دھندلے سے نشانات ہیں۔ انجیل میں ایک یہودی کے جواب میں ان اہم امور کے متعلق ایک دو فقرے ملتے ہیں۔ ایک دو فقرے جنت و دوزخ کے متعلق بھی ہیں، اور بس۔ لیکن پیغام محمدیؐ میں ہر چیز صاف اور مفصل موجود ہے۔

فرشتوں کا تخیل توراۃ میں بھی ہے مگر بالکل ناصاف، کبھی کبھی خدا نے واحد اور فرشتوں میں یہ تمیز مشکل ہو جاتی ہے کہ توراۃ میں خدا کا ذکر ہو رہا ہے یا فرشتوں کا۔ انجیل میں ایک دو فرشتوں کے نام آتے ہیں۔ وہاں روح القدس کی حقیقت اس قدر مشتبہ ہے کہ نہ اس کو فرشتہ کہہ سکتے ہیں نہ خدا، یا یوں کہو کہ اس کو فرشتہ بھی کہہ سکتے ہیں اور خدا بھی۔ لیکن پیغام محمدی میں ملائکہ اور فرشتوں کی حقیقت بالکل واضح ہے۔ اس میں ان کی حیثیت مقرر کر دی گئی ہے۔ ان کے کام بتا دیے گئے ہیں۔ خدا سے، پیغمبروں سے اور کائنات سے ان کا تعلق کھول کر بتا دیا گیا ہے۔

یہ تو وہ تکمیل ہے جو عقائد اور ایمانیات میں پیغام محمدی نے کی ہے، اب آیئے عملیات کا امتحان لیں۔ عملیات کا پہلا حصہ عبادات ہے۔ توراۃ میں قربانی کی طویل بحث اور اس کے شرائط و آداب کی بڑی تشریح ہے۔ روزوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ دعائیں بھی کی گئی ہیں، بیت ایل یا بیت اللہ کا بھی نام آتا ہے، لیکن یہ تمام چیزیں اس قدر دھندلی ہیں کہ ان پر لوگوں کی نظر بھی نہیں پڑتی، اور وہ ان کے انکار کی طرف مائل ہیں۔ پھر نہ تو عبادات کی تقسیم ہے، اور نہ ان کے طریقے، اور آداب بتائے گئے ہیں، نہ ان کے اوقات کی صاف صاف تعیین کی گئی ہے، اور نہ خدا کی یاد اور دعاؤں کی باقاعدہ تعلیم دی گئی ہے، نہ کوئی دعا بندہ کو سکھائی گئی ہے۔ زبور میں خدا کی دعائیں اور مناجاتیں بکثرت ہیں، مگر عبادات کے طریقے، آداب، اوقات اور دیگر شرائط کا پتہ نہیں۔ انجیل میں عبادات کا بہت کم بلکہ بالکل ذکر نہیں ہے۔ ایک جگہ حضرت عیسیٰؑ کے چالیس دن کے فاقہ کا ذکر ہے، اس کو روزہ کہہ لو۔ یہودیوں کا یہ اعتراض بھی انجیل ہی میں ہے کہ "کیوں تیرے شاگرد روزے نہیں رکھتے"۔ سونی ڈال رات میں دعا کرنے کا ذکر ہے، اور وہیں ایک دعا بھی سکھائی گئی ہے، مگر اور عبادات کا نہاں نشان نہیں، لیکن اسلام کے پیغام میں ہر چیز صاف اور مفصل ہے۔ نماز، روزہ، حج ان کے آداب و شرائط، عبادات کے طریقے، خدا کے ذکر اور یاد کی دعائیں، اور مؤثر دعائیں نماز کے اوقات، روزے کے اوقات، حج کے اوقات، ہر ایک کے احکام اور خدا کے حضور میں بندوں کے عجز و زاری، دعا و مناجات، گناہوں کے اقرار اور توبہ و ندامت اور عبد و معبود کے باہمی راز و نیاز کی وہ وہ تعلیمیں دی گئی ہیں جو روح کی غذا ہیں، جو دلوں کی گرہیں کھولتی ہیں، جو انسانوں کو خدا تک پہنچا دیتی ہیں۔ جو مذہب کی روح کو مجسّم کر دیتی ہیں۔

عمل کا دوسرا حصہ **معاملات** یا مملکت و معاشرت کے قوانین کا ہے، یہ حصہ حضرت موسیٰؑ کے پیغام میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور پیغام محمدیؐ نے اُن کو بڑی حد تک قائم رکھا ہے، لیکن ان قوانین کی سختی کم کر دی ہے، اور ایک قومی قانون کے تنگ دائرہ سے نکال کر اس کو عالمگیر قانون کی حیثیت دے دی ہے، اور اس حیثیت سے جن تکمیلی اجزا کی ضرورت تھی ان کا اضافہ کیا ہے، زبور اور انجیل ملکی شریعت اور قانون سے بالکل خالی ہیں، طلاق وغیرہ کے متعلق ایک دو احکام انجیل میں البتہ ہیں، باقی صفر، مگر عالمگیر اور دائمی مذہب کی ضرورتوں کی کفالت کے لیے مملکت اور معاشرت کے قوانین کی حاجت تھی، اور چونکہ پیغام عیسوی ان سے خالی تھا اس لیے دیکھو کہ عیسائی قوموں کو یہ چیزیں بت پرست یونانی اور رومی قوموں سے قرض لینی پڑیں۔ پیغام محمدیؐ نے ان میں سے ہر ایک حصہ کو پوری نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ تکمیل کو پہنچایا، اور ایسے اصول اور قواعد کلیہ بنائے جن سے وقتاً فوقتاً ائمہ مجتہدین اور علماء نئی نئی ضرورتوں کے لیے مسائل نکال کر پیش کرتے ہیں اور کم از کم ایک ہزار برس تک اسلام نے دنیا میں جو شہنشاہی کی، اور سینکڑوں متمدن اور مہذب سلطنتیں قائم کیں، ان سب کا اسی قانون پر عمل درآمد رہا اور اب بھی اس سے بہتر قانون دنیا پیش نہیں کر سکتی۔

عمل کا تیسرا حصہ **اخلاق** ہے، توراۃ میں اخلاق کے متعلق چند احکام پائے جاتے ہیں، ان میں سے سات اصولی احکام ہیں، جن میں سے والدین کی فرمانبرداری کی ایک ایجابی تعلیم کے سوا باقی چھ محض سلبی تعلیمیں ہیں، تو خون مت کر، تو چوری نہ کر، تو زنا نہ کر، تو اپنے ہمسایہ پر جھوٹی گواہی نہ دے، تو اپنے ہمسایہ کی جورو کو مت چاہ۔ تو اپنے ہمسایہ کے مال کا لالچ نہ کر، ان میں سے چھٹا حکم چوتھے میں، اور ساتواں تیسرے میں داخل ہے اس لیے چار ہی اخلاقی احکام رہ گئے۔

انجیل میں بھی انہی احکام کو دہرایا گیا ہے، اور مجملاً دوسروں کے ساتھ محبت کرنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے، جس کو توراۃ کے احکام پر ایک اضافہ کہہ لیجیے، لیکن پیغام محمدیؐ نے اس قطرہ کو دریا کر دیا ہے۔ سب سے پہلے اس نے اپنے بارہ[۱۲] اصولی احکام متعین کیے جو معراج میں ربانی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے، اور جو سورۂ اسراء میں مذکور ہیں۔ ان بارہ میں سے گیارہ انسانی اخلاق، اور ایک توحید کے متعلق ہے، گیارہ میں سے پانچ سلبی ہیں اور پانچ ایجابی، اور ایک سلبی و ایجابی کا مجموعہ۔

ماں باپ کی عزت اور فرمانبرداری کر، جن کا تجھ پر حق ہے، ان کا حق ادا کر، یتیم سے اچھا برتاؤ کر، ناپ تول، ترازو اور پیمانہ ٹھیک رکھ، اپنا وعدہ پورا کر، کہ تجھ سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی، یہ پانچ ایجابی باتیں ہیں۔ تو اپنی اولاد کو قتل نہ کر تو ناحق کسی کی جان نہ لے، زنا کے قریب نہ جا، انجانی بات کے پیچھے نہ چل، زمین پر غرور نہ کر، یہ پانچ سلبی باتیں ہیں۔ اور ایک حکم سلبی و ایجابی کا مجموعہ ہے، فضول خرچی نہ کر بلکہ اعتدال اور بیچ کی راہ اختیار کر۔ نفس انہی اصولی احکام کے مقابلہ سے واضح ہوا ہوگا، کہ پیغام محمدی کیونکہ تکمیلی پیغام ہو کر آیا ہے، اس نے نہ صرف ان اصولی احکام کو بتایا اور

مکمل کیا ہے، بلکہ اخلاق کی ایک ایک گرہ کو کھولا، انسان کی ایک ایک قوت کا مصرف بتایا، اس کی ایک ایک کمزوری کو ظاہر کیا، روح کی ایک ایک بیماری کی تشخیص کی اور اس کا علاج بتایا ہے۔

یہ "عمل" کی وہ تکمیل تھی جو پیغام محمدیؐ کے ذریعہ سے انجام پائی۔

اسلامی تعلیمات کے وسیع دفتر کو اگر ہم دو مختصر لفظوں میں ادا کرنا چاہیں تو ہم ان کو ایمان اور عمل صالح کے دو لفظوں سے تعبیر کر سکتے ہیں، ایمان اور عمل یہی دو چیزیں ہیں جو ہر قسم کے محمدی پیغام پر حاوی ہیں اور قرآن پاک میں انہی دونوں پر انسانی نجات کا مدار ہے یعنی یہ کہ ہمارا ایمان پاک اور مستحکم ہو اور عمل نیک اور صالح ہو، اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قرآن میں بیسیوں جگہ آیا ہے، اور ہر جگہ صاف کھول کھول کر بیان کیا ہے، کہ فلاح اور کامیابی صرف ایمان اور عمل صالح پر موقوف ہے، میں چاہتا تھا کہ ان دونوں اصولی مسئلوں کو پوری تشریح کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دوں، مگر افسوس کہ یہ موقع نہیں ہے کہ یہاں ان کی پوری تفصیل پیش کی جا سکے، اس لیے اس وقت پیغام محمدیؐ کا صرف وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے، جس نے ایمان و عمل کے متعلق تمام دنیا کی غلطیوں کی اصلاح کی، اور دینِ ناقص کو تکمیل کے درجہ تک پہنچایا۔ اور اُن اصولی اور بنیادی غلطیوں کو دور کیا، جن کی بناء پر انسانیت حد درجہ پستی اور گمراہی میں تھی، اور وہ غلطیاں ہر قسم کی گمراہیوں کی بنیاد اور جڑ تھیں۔

۱۔ ان بنیادی مسئلوں میں سب سے پہلا مسئلہ جو پیغام محمدیؐ کے ذریعہ سے سامنے آیا وہ کائنات اور مخلوقاتِ الٰہی میں انسانیت کا درجہ ہے، اور یہی توحید کی جڑ ہے، اسلام سے پہلے انسان اکثر مخلوقاتِ الٰہی سے اپنے کو کم درجہ اور کم رتبہ سمجھتا تھا، وہ سخت پتھر، اونچے پہاڑ، بہتے دریا، سرسبز درخت، برستے پانی، دہکتی آگ، ڈراؤنے جنگل، زہریلے سانپ، ڈکارتے شیر، دودھ دیتی گائے، چمکتے سورج، درخشاں تاروں، کالی راتوں، بھیانک صورتوں، غرض دنیا کی ہر اُس چیز کو جس سے وہ ڈرتا تھا، یا جس کے نفع کا خواہش مند تھا، پوجتا تھا، اور اس کے آگے اپنی عبودیت کا سر جھکاتا تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر دنیا کو یہ پیغام دیا کہ "اے لوگو! یہ تمام چیزیں تمہاری آقا نہیں بلکہ تم ان کے آقا ہو۔ وہ تمہارے لیے پیدا کی گئی ہیں تم ان کے لیے پیدا نہیں کیے گئے وہ تمہارے آگے جھکی ہیں، تم کیوں اُن کے آگے جھکتے ہو، اے انسانو! تم اس ساری کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ ہو، اس لیے یہ ساری مخلوقات اور کائنات تمہارے زیر فرمان کی گئی ہے تم اُس کے زیر فرمان نہیں کیے گئے وہ تمہارے لیے ہے تم اس کے لیے نہیں ہو۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۔ (بقرہ ۴)

(یاد کرو) جب تیرے خدا نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ ۔ (انعام ۲۰)

اور اسی (خدا) نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے۔

اسی نیابت اور خلافت نے آدمؑ اور اولادِ آدم کو سب مخلوقات میں عزت اور بزرگی بخشی، وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ "اور ہم نے بہ تحقیق اور بلا شک و شبہہ، آدمؑ کی اولاد کو بزرگ بنایا اب کیا یہ بزرگ ہو کر اپنے سے پست تر اور حقیر تر کے آگے سر جھکائے

اسلام نے انسانوں کو یہ سمجھایا کہ یہ ساری دنیا تمہارے لیے بنائی گئی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ (حج - ۹)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے بس میں دیدیا ہے

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۔ (بقرہ - ۳)

اسی نے تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے بنایا۔

جانور تمہارے لیے پیدا ہوئے ہیں:۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ ۔ (نحل - ۱)

اور جانوروں کو پیدا کیا، تمہارے لیے اُن کے اُون میں گرمی اور دوسرے فائدے ہیں۔

بارش اس سے اُگنے والی سبزیاں اور درخت تمہارے لیے ہیں:۔

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۔ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۔ (نحل - ۲)

اسی (خدا) نے آسمان سے تمہارے لیے پانی اُتارا، اس میں سے کچھ تم پیتے ہو اور کچھ سے درخت اُگتے ہیں، جس میں جانور چراتے ہو۔ وہی (خدا) تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل

رات، دن، چاند، سورج اور تارے سب تمہارے لیے ہیں:۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۔ (نحل - ۲)

اور اس نے رات اور دن اور چاند اور سورج کو تمہارے لیے کام میں لگایا، اور ستارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں۔

دریا اور اس کی روانی بھی تمہارے لیے ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ (نحل - ۲)

اور وہی (خدا) ہے، جس نے دریا کو کام میں لگایا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔ اور اس سے آرائش کے موتی پہننے کو نکالو، اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر کو پھاڑتی چلتی ہیں اور تاکہ تم خدا کی مہربانی کو ڈھونڈھو، اور شاید کہ تم احسان مانو۔

اس معنی کی بہت سی اور آیتیں قرآنِ پاک میں ہیں، عارفِ شیراز نے اسی مطلب کو اس شعر میں ادا کیا ہے:۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ان آیتوں کے ذریعہ سے پیغام محمدی نے یہ واضح کر دیا کہ انسان کائنات کا سرتاج ہے، وہ خلافتِ الٰہی سے ممتاز ہے، وہ خلقِ کائنات کا مقصود ہے، اور لَقَدْ كَرَّمْنَا

بَنِیْ آدَمَ اس کا مظہر ہے، غور کرو کہ اس حقیقت کے فاش ہونے کے بعد انسان کے لیے کائنات کے کسی مظہر یا مخلوق کے آگے سر جھکانا جائز ہے؟ اور اس کے آگے خاک پر پیشانی رکھنا مناسب ہے؟

نادان انسانوں نے خود ایک دوسرے کو بھی خدا بنایا تھا، چاہے وہ اوتار بن کر آئے ہوں، یا تختِ جبروت پر قدم رکھ کر فرعون و نمرود و شہنشاہ بنے ہوں، یا تقدس کا لبادہ اوڑھ کر قسیس و راہب کہلائے ہوں، یا پوپ اور عالم و درویش بن کر اپنے کو معبود منوانا چاہا ہو۔ یہ بھی انسانیت کی تحقیر تھی، پیغامِ محمدیؐ نے اس کو جڑ سے کاٹ دیا:۔

وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران۔۷) — اور نہ بنائے ہم میں سے ایک دوسرے کو اپنا رب خدا کو چھوڑ کر۔

یہاں تک کہ نبیوں کو بھی روا نہیں کہ وہ یہ کہیں۔

کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران) — خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔

آنکھوں سے پوشیدہ ہستیوں میں فرشتے، اور آنکھوں کے سامنے کی ہستیوں میں انبیاء سب سے بلند ہیں، مگر وہ بھی انسان کا معبود نہیں ہو سکتے۔

وَلَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا (آل عمران۔۸) — اور وہ (خدا) یہ حکم نہیں دیتا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ۔

الغرض انسانیت کا درجہ پیغامِ محمدیؐ کے ذریعہ سے اتنا بلند ہو گیا کہ اس کی پیشانی سوائے ایک خدا کے کسی کے سامنے نہیں جھک سکتی، اور اس کے ہاتھ اس ایک کے سوا کسی اور کے آگے نہیں پھیل سکتے، جس سے وہ لینا چاہے اس کو کوئی دے نہیں سکتا اور جس کو وہ دینا چاہے اس سے کوئی لے نہیں سکتا،

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ (زخرف۔۷) — اور وہی آسمان میں خدا ہے، اور وہی زمین میں خدا ہے۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (اعراف۔۷) — ہاں اسی کے لیے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (انعام۔۷) — حکومت صرف خدا کی ہے۔

لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ (فرقان۔۱) — اس کی سلطنت میں کوئی شریک نہیں۔

اس پیغامِ محمدی کو سامنے رکھ کر ذرا توحید کے مسئلہ کو سمجھو تو معلوم ہو گا کہ علاوہ اس کے کہ اس نے انسانیت کے درجہ کو کہاں تک بلند کیا، توحید کی حقیقت کو بھی کس طرح کھول دیا ہے، یہاں "خدا" کے ساتھ کوئی "قیصر" نہیں ہے، جو کچھ ہے اسی خدا کا ہے، قیصر کا کچھ نہیں، اسی کی حکومت ہے، اسی کی سلطنت ہے، اور اسی کی فرمانروائی ہے، اسی کا ایک حکم ہے، جو فرش سے عرش تک اور زمین سے آسمان تک جاری ہے۔

عزیزو! اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ ایک انسان اس نشۂ خلافت سے سرمست ہو کر کیا کسی غیر خدا کے آگے جھک سکتا ہے؟ اندھیرا ہو یا روشنی، ہوا ہو یا پانی، بادشاہ ہو یا دشمن، جنگل ہو یا پہاڑ، خشکی ہو یا تری، کیا کبھی ایک صحیح مسلمان کا دل خدا کے علاوہ کسی سے ڈر سکتا ہے اور کسی ہستی کی پروا کر سکتا ہے؟ ذرا اس روحانی تعلیم کی اخلاقی قوت کو دیکھو، اور پیغامِ محمدی کی اس بلندی پر غور کرو۔

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا اصولی اور بنیادی پیغام یہ ہے کہ انسان اصل خلقت میں پاک اور بے گناہ، اور اس کی فطرت کی لوح بالکل سادہ اور بے نقش ہے، وہ خود انسان ہی ہے، جو اپنے اچھے برے عمل سے فرشتہ یا شیطان، یعنی بے گناہ یا گناہ گار بن جاتا ہے، اور اپنی فطرت کے سادہ دفتر کو سیاہ یا روشن کر لیتا ہے، یہ سب سے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے، جو بنی نوعِ انسان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی، چین، برما اور ہندوستان کے تمام مذاہب آواگون اور تناسخ کے چکر میں مبتلا ہیں۔ یونان کے بعض بے وقوف حکیم بھی اس خیال سے متفق ہیں۔ مگر اس وہم نے انسانیت کو بے کار کر دیا، اور اس کی پیٹھ پر بڑا بھاری بوجھ رکھ دیا ہے۔ اس کے ہر عمل کو دوسرے عمل کا نتیجہ بتا کر اس کو مجبور کر دیا، اور اس کی ہر زندگی کو دوسری زندگی کے ہاتھ میں دے دیا ہے، اس عقیدہ کے مطابق کسی انسان کا دوبارہ پیدا ہونا ہی اس کی اگلی گناہ گاری کی دلیل ہے۔ عیسائی مذہب نے بھی انسانیت کے اس بوجھ کو کم نہیں کیا، بلکہ اور بڑھا دیا ہے عیسائی مذہب نے یہ عقیدہ تعلیم کیا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ آدم کی گنہگاری کے سبب سے موروثی طور پر گنہگار ہے، خواہ اس نے ذاتی طور پر کوئی گناہ نہ کیا ہو، اس لیے انسانوں کی بخشایش کے لیے ایک غیر انسان کی ضرورت ہے جو موروثی گنہگار نہ ہو، تاکہ وہ اپنی جان دے کر بنی نوعِ انسان کے لیے کفارہ ہو جائے۔

لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر غمزدہ انسانوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ تم کو بشارت ہو کہ تم نہ اپنی پہلی زندگی اور کرم کے ہاتھوں مجبور و ناچار ہو۔ اور نہ اپنے باپ آدم کے گناہ کے باعث فطری گنہگار ہو، بلکہ تم فطرۃً پاک و صاف اور بے عیب ہو، اب تم خود اپنے عمل سے خواہ اپنی صفائی اور پاکی کو برقرار رکھو یا نجس و ناپاک بن جاؤ۔

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ — قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طورِ سینا کی اور
وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ، لَقَدْ خَلَقْنَا — اس امن والے شہر (مکہ) کی، کہ البتہ ہم نے انسان
الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ، ثُمَّ رَدَدْنٰهُ — کو بہترین اعتدال پر پیدا کیا، پھر ہم اس
اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ، اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا — کو نیچے سے نیچے پہنچا دیتے ہیں، لیکن
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (تین) — وہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے،

انسانوں کو پیغامِ محمدی کی یہ بشارت ہے کہ انسان بہترین حالت، بہترین اعتدال اور راستی پر پیدا کیا گیا ہے، لیکن وہ اپنے عمل کی بناء پر نیک و بد ہو جاتا ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا، فَاَلْهَمَهَا — قسم ہے نفس کی، اور اس کے ٹھیک بنانے
فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا، قَدْ اَفْلَحَ — جانے کی، پھر ہم نے سمجھ دیدی اس کو بدی اور
مَنْ زَكّٰىهَا، وَقَدْ خَابَ مَنْ — نیکی کی، تو کامیاب ہوا وہ جس نے اس نفس کو پاک

وَتَقْوٰهَا۔ (شمس) رکھا اور ناکام ہوا وہ جس نے اس کو میلا کر دیا۔

انسانیت کی فطری پاکی کے لیے اس سے زیادہ صاف پیغام اور کیا چاہیئے سورۂ دہر میں پھر آتا ہے:۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ — ہم نے انسان کو ایک بوند کے لچھے سے پیدا
اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا — کیا، ہم پلٹتے رہے اس کو، پھر کر دیا ہم نے
بَصِیْرًا۔ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ — اس کو سنتا دیکھتا (انسان)، ہم نے اس کو
اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ — سوجھا دی راہ، اب وہ یا حق مانتا ہے اور
(دھر، ع ۱) — یا ناشکر ہے،

سورۂ انفطار میں ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ — اے انسان کاہے سے دھوکے میں پڑا تو
الْكَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ — اپنے بخشش والے رب سے متعلق جس نے تجھ کو
فَعَدَلَكَ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ — پیدا کیا، پھر تجھ کو ٹھیک کیا، پھر تجھ کو برابر
رَكَّبَكَ، (انفطار ع ۱) — کیا، جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی زبان میں دین اور فطرت ایک ہی معنی کے دو لفظ ہیں، اصل فطرت دین ہے، اور گنہگاری انسان کی ایک بیماری ہے جو باہر سے آتی ہے، قرآن مجید کہتا ہے:۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا — سو تو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا — قائم رکھ، وہی اللہ کی فطرت، جس پر اس نے
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ — لوگوں کو بنایا ہے، خدا کے بنائے میں بدلنا
الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ — نہیں، یہی سیدھا دین ہے، لیکن بہت
لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (روم ۴) — لوگ نہیں جانتے۔

پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اپنے ایک پیغام میں اس آیتِ پاک کا مطلب پورے طور پر واضح کر دیا ہے، بخاری تفسیر سورۂ روم میں ہے کہ آپ نے فرمایا مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ اِلَّا عَلَی الْفِطْرَةِ۔ کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا، لیکن ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جس طرح ہر جانور اصل میں صحیح و سالم بچہ پیدا کرتا ہے، کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی وہ جنتا ہے یہ کہہ کر آپ نے پھر اُوپر کی آیت پڑھی۔

غور کرو اس پیغام محمدیؐ نے بنی نوع انسان کو کتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے، اور انسان کے دائمی غم کو کس طرح مسرت سے بدل دیا۔ اور ہر انسان کو اپنی زندگی کے عمل میں کس طرح آزاد بنا دیا ہے۔

۳۔ ظہور محمدی سے پہلے دنیا کی یہ کل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوئی تھی لوگ ایک دوسرے سے ناآشنا تھے، ہندوستان کے رشیوں اور منیوں نے آریہ ورت سے باہر خدا کی آواز کے لیے کوئی جگہ نہیں رکھی تھی، ان کے نزدیک پرمیشور صرف پاک آریہ ورت کے باشندوں کی بھلائی چاہتا تھا، خدا کی رہنمائی کا عطیہ صرف اسی ملک اور یہیں کے بعض خاندانوں کے لیے محفوظ تھا، زردشت خاک پاک ایران کی پاک نژاد کے سوا اور کہیں خدا کی آواز نہیں سنتا تھا، بنی اسرائیل اپنے خاندان سے باہر کسی رسول اور نبی کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں سمجھتے تھے، یہ پیغام محمدیؐ ہی ہے، جس نے پورب، پچھم، اُتر، دکھن ہر طرف خدا کی آواز سنی، اور بتایا کہ خدا کی رہنمائی کے لیے ملک قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اس کی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان اور عرب سب برابر ہے، ہر جگہ اس کے پیغام کی بانسری بجی، اور ہر طرف اس کی رہنمائی کا نور چمکا،

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ — اور نہیں ہے کوئی قوم مگر یہ کہ اس میں گزر
(فاطر) — چکا ایک ہشیار کرنے والا۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ (رعد) — اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا — اور ہم نے تجھ سے پہلے کتنے رسول ان
اِلٰی قَوْمِهِمْ، (روم) — کی اپنی اپنی قوم کے پاس بھیجے۔

ایک یہودی اپنی قوم سے باہر کسی پیغمبر کو تسلیم نہیں کرتا، ایک عیسائی کے لیے بنی اسرائیل کے یا دوسرے ملکوں کے رہنماؤں کو تسلیم کرنا ضروری نہیں، اور ایسا کرنے سے اس کے سچے عیسائی ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا، ہندو دھرم کے لوگ آریہ ورت کے باہر خدا کی کسی آواز کے قائل نہیں، ایران کے زردشتی کو اپنے ہاں کے سوا دنیا ہر جگہ اندھیری معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا پیغام ہے کہ ساری دنیا ایک ہی خدا کی مخلوق ہے، اور خدا کی نعمتوں میں ساری قومیں اور نسلیں برابر کی شریک ہیں۔ ایران ہو یا ہندوستان، چین ہو یا یونان، عرب ہو یا شام ہر جگہ خدا کا نور یکساں چمکا، جہاں جہاں بھی انسانوں کی آبادی تھی، خدا نے اپنے قاصد بھیجے، اپنے رہنما اتارے، اور ان کے ذریعہ اپنے احکام سے سب کو مطلع فرمایا۔

اسلام کی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک دنیا کے تمام پیغمبروں پر، پہلی آسمانی کتابوں پر، اور گزشتہ ربانی الہاموں پر یقین نہ رکھے۔ جن جن پیغمبروں کے قرآن میں نام ہیں، ان کو نام بنام اور جن کے نام نہیں معلوم، یعنی قرآن نے نہیں بتائے ہیں وہ کہیں بھی گزرے ہوں اور ان کے جو نام بھی ہوں ان سب کو سچا اور راستباز ماننا ضروری ہے۔ مسلمان تو وہ ہیں:۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ — جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اے محمدؐ تم پر
وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ) — اُترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا

پھر سورۂ بقرہ کے بیچ میں فرمایا:۔

لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ — لیکن نیکی اس کی ہے جو خدا پر اور قیامت
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَ — کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور

النَّبِيّٖنَ ، (بقرہ ۲۲) تمام نبیوں پر ایمان لایا ۔

اسی سُورۃ کے آخر میں ہے کہ پیغمبر اور اس کے پیرو :۔

کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ	سب ایمان لائے خدا پر اور اس کے فرشتوں
كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ	پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں
اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ، (بقرہ ۴۰)	پر ہم اسکے رسولوں میں باہم فرق نہیں کرتے

یعنی یہ نہیں کر سکتے کہ بعض پر ایمان لائیں، اور بعض پر نہیں، تمام مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ	اے ایمان لا چکنے والو! ایمان لاؤ خدا پر
وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى	اور اس کے رسول پر، اور اس کتاب پر جو اس
رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ	نے اپنے رسول پر اتاری، اور اس کتاب پر
قَبْلُ ، (نساء ع ۲۰)	جو پہلے اتاری گئی ۔

عزیزو! دنیا کی اس روحانی مساوات، انسانی اخوت و برادری، اور تمام سچے مذہبوں کے رہنماؤں اور پیغمبروں کے اس حقیقی ادب و تعظیم اور اُن کی یکساں صداقت کا سبق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کس نے دیا ہے، اب بتاؤ کہ پیغمبر اسلام کی رحمت عام، ہمدردی اور رواداری کا دائرہ کتنا وسیع ہے کہ اس سے انسانوں کی کوئی بستی، اور بنی آدم کا کوئی گھرانا خالی نہیں ۔

۴ - تمام مذہبوں نے عبد و معبود اور خدا و بندہ کے درمیان واسطے قائم کر رکھے تھے، قدیم بُت خانوں میں کاہن اور پوجاری تھے، یہودیوں نے بنی لاوی اور ان کی نسل کو خدا اور بندہ کے درمیان عبادتوں اور قربانیوں میں واسطہ بنایا تھا۔ عیسائیوں نے بعض حواریوں اور ان کے جانشین پوپوں کو یہ رتبہ دیا کہ وہ جو زمین پر باندھیں گے وہ آسمان پر باندھا جائے گا، اور جو زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر کھولا جائے گا، ان کو تمام انسانوں کے گناہ معاف کرنے کا اختیار دیا گیا، ان کے بغیر کوئی عبادت نہیں ہو سکتی ۔ ہندوؤں میں برہمن خاص خدا کے داہنے ہاتھ سے پیدا ہوئے ہیں، خدا اور بندہ کے درمیان وہی واسطہ ہیں، ان کی وساطت کے بغیر کوئی ہندو عبادت نہیں ہو سکتی، مگر اسلام میں پوجاریوں، کاہنوں، پوپوں اور پادریوں کی کوئی جماعت نہیں ہے، یہاں پریسٹ کلاس کا وجود نہیں، یہاں کھولنے اور باندھنے کا اختیار صرف خدا کو ہے، یہاں گناہوں کی معافی کا حق صرف اللہ کو ہے، عبد و معبود اور خدا اور بندہ کی عبادت اور راز و نیاز میں کسی غیر کو دخل نہیں، ہر شخص جو مسلمان ہے نماز کا امام ہو سکتا ہے، قربانی کر سکتا ہے نکاح پڑھا سکتا ہے، مذہب کے تمام مراسم بجا لا سکتا ہے، یہاں انسانوں کو اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اے لوگو: (بلا واسطہ) مجھے پکارو، میں تم کو جواب دوں گا" کی صدائے عام ہے، ہر شخص اپنے خدا سے باتیں کر سکتا ہے، اپنی دعاؤں میں اس کو پکار سکتا ہے، اس کے آگے جھک سکتا ہے، اور اس کی عقیدت کے نذرانے بے واسطہ پیش کر سکتا ہے، یہاں عبد اور معبود اور خدا و بندہ کے درمیان کوئی متوسط اور دخیل نہیں یہ سب ذہنی آزادی ہے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے انسانوں کو عطا ہوئی، یعنی یہ کہ خدا کے معاملہ میں انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات ملی، ہر انسان اپنا آپ کاہن، پریسٹ پوپ اور برہمن ہے ۔

۵ - انسانوں کی تعلیم و ہدایت کے لیے جو مقدس ہستیاں وقتاً فوقتاً آتی رہیں، انکے متعلق ابتدا سے قوموں میں حد درجہ عقیدت مندی کی افراط و تفریط رہی ہے، افراط یہ تھی، کہ نادانوں نے ان کو خود خدا، یا خدا کا مثل، یا خدا کا روپ اور مظہر ٹھہرایا۔ بابل، اسیریا، اور مصر کے ہیکلوں میں کاہنوں کی شان مثیل خدا کی نظر آتی ہے، ہندوؤں میں وہ اوتار کے رنگ میں مانے جاتے ہیں، بودھوں اور جینیوں نے اپنے اپنے بودھوں اور مہابیروں کو خود خدا تسلیم کر لیا، عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا، دوسری طرف تفریط یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے نزدیک ہر وہ شخص جو پیشین گوئی کر سکتا تھا، نبی اور پیغمبر تھا، ایک نبی کی نبوت کے لیے اتنا ہی کافی تھا، کہ وہ پیشین گوئی کرتا ہے، خواہ وہ گنہگار ہو، اخلاقی حیثیت سے قابل اعتراض ہو، خدا کی نگاہ میں اس کا کیسا ہی درجہ ہو، اس کا نیک اور معصوم ہونا بھی ضروری نہ تھا، اسی لیے بنی اسرائیل کے موجودہ صحیفوں میں بڑے بڑے پیغمبروں کے متعلق ایسی حکایتیں ملتی ہیں جو حد درجہ لغو اور بیہودہ ہیں ۔

اسلام نے اس منصب عظیم کی صحیح حیثیت مقرر کی، اور بتایا کہ انبیاء نہ خدا ہیں نہ خدا کے مثیل ہیں، نہ خدا کے اوتار ہیں، نہ خدا کے بیٹے اور رشتہ دار ہیں، وہ آدمی ہیں، اور محض آدمی ہیں، وہ بشر ہیں، اور خالص بشریت کے جامہ میں ہیں، تمام انبیاء بشر تھے ۔ اور آخری پیغمبر نے خود اپنے متعلق کہا کہ میں بشر ہوں کفار تعجب سے کہتے تھے :۔

"کیا بشر رسول؟"

اسلام نے کہا ، ہاں !

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ،	کہدے اے پیغمبر میں بھی تمہاری ہی طرح بشر ہوں
هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ،	میں نہیں ہوں، لیکن بشر رسول ۔

خدا کے کارخانے کی کوئی چیز بالذات انبیاء کے اختیار میں نہیں، اُن کو بالذات کسی مافوق طاقت بشری کام پر قدرت نہیں انہوں نے جو کچھ کیا وہ خدا کے اذن و اشارہ سے ۔

دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ گو انسان اور بشر ہیں، لیکن اپنے کمالات کی حیثیت سے تمام انسانوں سے مافوق ہیں، وہ خدا سے مکالمہ کرتے ہیں، اُن پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے، وہ بے گناہ اور معصوم ہوتے ہیں، تاکہ گنہگاروں کے لیے نمونہ بنیں ان کے ہاتھوں سے خدا اپنے اذن اور اشارہ سے اپنی قدرت کے عجائبات دکھاتا ہے، وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں، ان کی عزّت و تعظیم اور اطاعت سب پر فرض ہے، وہ خدا کے خاص سچے اور مطیع بندے ہیں، جن کو خدا تعالیٰ اپنی رسالت اور پیغمبری کے منصب سے سرفراز کرتا ہے ۔

یہ ہے اعتدال اور درمیانی راہ جو پیغام محمدیؐ نے انبیاء علیہ السلام اور رسولوں کی نسبت قائم کی ہے، جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے، اور اس مذہب کے

مناسب ہے، جس نے دنیا میں توحید کی تکمیل کی۔

دوستو! آج کی مجلس نے طول پکڑا، ابھی کہنے کی بہت کچھ باتیں ہیں،

شبِ آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد

ان شاء اللہ آیندہ مزید معروضات پیش کروں گا، رات زیادہ گئی ہے، اس لیے اب آج کی مجلس اس دائمی کامل اور عالمگیر معلّم کے درود و سلام پر ختم ہوتی ہے۔

۸

پیغامِ محمّدی

دوستو! آج میری اور آپ کی یک ماہ ملاقات کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، آج میری تقریر کی آٹھویں قسط ہے، میں نے چاہا تھا کہ ان دو آخر تقریروں میں اسلام کے بنیادی امور کے متعلق تمام باتیں آپ کے سامنے پیش کر دوں مگر

صد سال می توان سخن از زلفِ یار بست

مسئلہ توحید کے متعلق تمام پہلے مذاہب میں جو حقیقت میں توحید ہی کا پیام لیکر اس دنیا میں آئے تھے، تین اسباب سے غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہوئیں، ایک جسمانی تشبیہ و تمثیل، دوسرے صفات کو ذات سے الگ اور مستقل ماننا، اور تیسرے افعال کی نیرنگی سے دھوکا کھانا، پیغام محمّدی نے ان گرہوں کو کھولا، ان غلط فہمیوں کو دُور کیا اور ان حقیقتوں کو واضح کیا، سب سے پہلے تشبیہ و تمثیل کو لیجئے،

۱۔ خدا کو، خدا کی صفتوں کو، اور خدا و بندہ کے باہمی تعلق کو واضح کرنے کے لیے خیالی یا مادّی تشبیہیں اور تمثیلیں، دوسرے مذاہب کے معتقدوں نے ایجاد کیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اصل خدا تو جاتا رہا، اور اس کی جگہ یہ تشبیہیں اور تمثیلیں خدا بن گئیں، انہی تشبیہوں اور تمثیلوں نے مجسم ہوکر بتوں کی شکل اختیار کر لی، اور بت پرستی شروع ہوگئی، خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ جو لطف و کرم، اور محبت اور پیار ہے اس کو بھی تشبیہ و تمثیل کے رنگ میں ادا کرکے مجسم کر دیا گیا، آرین قوموں میں چونکہ عورت محبّت کی دیبی ہے، اس لیے خدا اور بندہ کے تعلق کو، ماں اور بیٹے کے لفظ سے ادا کیا گیا، اور اس لیے خدا ماتا کی شکل میں آگیا، بعض دوسرے ہندو فرقوں میں اس بے کیف محبّت کو زن و شو اور میاں بیوی کے الفاظ میں ادا کیا گیا، سدا سہاگ فقیروں نے ساڑی اور چوڑی پہن کر اسی حقیقت کو نمایاں کیا ہے، رومیوں اور یونانیوں میں بھی عورت ہی کی شکل میں خدا ظاہر ہوا ہے، سامی قوموں میں عورت کا برملا ذکر تہذیب کے خلاف ہے، اس لیے خاندان کی اصل بنیاد باپ قرار دیا گیا ہے، اس طرح بابل و اسیریا و شام کے کھنڈروں میں خدا مرد کی صورت میں جلوہ نما ہے، بنی اسرائیل کے ابتدائی تخیّل میں خدا باپ اور تمام فرشتے اور انسان اس کی اولاد بتائے گئے ہیں، بعد کو باپ خدا کی اولاد صرف بنی اسرائیل قرار پاتی ہے، بنی اسرائیل کے بعض صحیفوں میں زن و شو کا تخیل بھی خدا اور بنی اسرائیل کے درمیان نظر آتا ہے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل اور یروشلم بیوی فرض کیے جاتے ہیں، اور خدا شوہر بنتا ہے، عیسائیوں میں باپ اور بیٹے کی تمثیل نے اصلیت اور حقیقت کی جگہ لے لی، عربوں میں بھی اسی قسم کا تخیل تھا، خدا باپ تصور کیا جاتا تھا۔ اور فرشتے اس کی بیٹیاں، پیغام محمّدیؐ نے ان تمام تشبیہی اور تمثیلی صورتوں، طریقوں اور محاوروں کو یک قلم موقوف کر دیا، اور ان کا استعمال شرک قرار دیا، اس نے صاف اعلان کیا لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ "اس جیسی اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں" اس ایک آیت نے شرک کی ساری بنیادوں کو ہلا دیا، پھر ایک نہایت ہی چھوٹی سورہ کے ذریعہ سے انسانوں کے سب سے بڑے وہم کو دور کیا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ	کہدے (اے پیغمبر) اللہ ایک ہے اللہ
لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ، وَلَمْ	(خود ہر چیز سے) بے نیاز ہے (اور تمام
يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔	چیزیں اس کی نیاز مند ہیں) نہ وہ جنتا ہے
(اخلاص)	(جو اس کے اولاد ہو) اور نہ وہ جنا جاتا ہے
	(جو کسی کی اولاد ہوکر پھر خدا ہو) اور نہ اس کا

کوئی ہمسر ہے، (جو زن و شو کا رشتہ قائم ہوسکے)،

اس ایک سورہ میں جو قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورہ ہے، توحید کی نکھری ہوئی صورت ظاہر ہوئی ہے، جس کی بنا پر دینِ محمدیؐ ہر قسم کے شرک کے مغالطوں سے پاک ہوگیا ہے۔

دوستو! اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پیغام محمّدیؐ نے خدا اور بندہ کے درمیان محبّت، پیار اور لطف و کرم کے تعلقات کو توڑ دیا ہے، نہیں اس نے ان تعلقات کو اور زیادہ پیوستہ اور مضبوط کر دیا ہے، لیکن ان تعلّقات کے ادا کرنے میں جو جسمانی تعبیریں مختلف انسانی شکلوں میں تھیں صرف اُن کو توڑ دیا ہے، اس لیے کہ اوّل تو یہ انسانی طریقۂ ادا حقیقت سے بہت کم رتبہ ہے، یعنی اس کی نگاہ میں عبد و معبود کے درمیان جو تعلق ہے اس کے مقابلہ میں باپ، بیٹے، ماں بیٹیاں، یا زن و شو کا تعلق محض ہیچ اور بالکل کم درجہ ہے، دوسرے یہ کہ ان تعبیروں سے شرک کی غلطیاں پیدا ہوتی ہیں، اسی لیے اسلام نے یہ کہا:- اُذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا، "تم اللہ کو اسی طرح یاد کرو جیسے اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو، بلکہ اس سے بہت بڑھ کر یاد کرو" دیکھو کہ اس آیت میں محبتِ الٰہی کو ادا کرنا تھا تو یہ نہیں کہا کہ "خدا تمہارا باپ" یعنی خدا اور باپ کے رشتہ کو مشبّہ اور مشبہ بہ نہیں بنایا، بلکہ خدا کی محبت اور باپ کی محبّت کو باہم مشبّہ اور مشبہ بہ قرار دیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اس نے اس جسمانی رشتہ کو گو چھوڑ دیا، لیکن اس جسمانی رشتہ کی محبت کو باقی رکھا، آگے بڑھ کر اس نے کہا، بلکہ باپ سے بہت زیادہ خدا سے محبت رکھنی چاہیے "اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا"، اس سے ظاہر ہوا کہ اس رشتہ کی محبت کو وہ خدا

اور بندہ کی محبت اور تعلق کے مقابلہ میں کم رتبہ اور ہیچ سمجھتا ہے، اور اس میں ترقی کی ضرورت محسوس کرتا ہے، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۔" ایمان والے سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں"، اسلام خدا کو اَبُو الْعَالَمِيْن "دنیا کا باپ" نہیں کہتا بلکہ رَبُّ الْعَالَمِيْن دنیا کا پالن ہار کہتا ہے، کیونکہ اس کی نگاہ میں اَب سے رَب کا رتبہ بہت بلند ہے، باپ کا تعلق بیٹے سے آنی اور عارضی ہے، مگر رب کا تعلق اپنے مربوب سے اس کی خلقت اور وجود کے اوّلین لمحہ سے لے کر آخرین لمحہ تک برابر بلا انقطاع قائم رہتا ہے۔ اسلام کا خدا وَدُوْدٌ ہے یعنی محبت والا رَءُوْفٌ ہے یعنی ایسی رافت اور محبت والا، جو باپ کو اپنے بیٹے سے ہے حَنَّانٌ ہے یعنی ایسی محبت والا، جیسی ماں کو اپنے بیٹے سے ہے، مگر وہ نہ باپ ہے اور نہ ماں بلکہ ان تشبیہوں سے پاک ہے۔

۲۔ حضرات! قدیم مذاہب کے عقیدۂ توحید میں غلط فہمیوں کا دوسرا سبب کا مسئلہ ہے، یعنی صفات کو ذات الٰہی سے الگ مستقل وجود کے طور پر تسلیم کرنا۔ ہندوؤں کے عام مذہب میں جو خداؤں کا لاتعداد لشکر نظر آتا ہے، وہ حقیقت میں اسی غلطی کا نتیجہ ہے کہ ہر ایک صفت کو انہوں نے ایک علٰحدہ اور مستقل وجود مان لیا، اور اس طرح ایک خدا کے ۳۳ کروڑ خدا بن گئے، تعداد چھوڑ کر صفات کی تشبیہ اور تمثیل بھی انہوں نے مجسم کر کے پیش کی، خدا کی صفت قوت کو ظاہر کرنا تھا، تو انہوں نے اسے وافی ہاتھ کے ذریعہ سے ظاہر کیا، اور اس کی جسمانی تمثیل میں کئی کئی ہاتھ بنا دیئے خدا کی حکمتِ بالغہ کو سمجھانا تھا، تو ایک سر کے بجائے دو سر کی مورت کھڑی کر دی،

ہندو مذہب کے فرقوں پر غور کرو، تو معلوم ہوگا کہ وہ اسی ایک مسئلہ صفات کے تجسم اور مستقل وجود کے تخیل سے مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں، خدا کی تین بڑی صفتیں ہیں، خالقیت، قیومیت اور ممیتیت، یعنی پیدا کرنے والا، قائم رکھنے والا، اور فنا کر دینے والا، ہندو فرقوں نے ان صفتوں کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کر لیا، اور برہما وشنو، اور شیو، یعنی خالق، قیوم، اور ممیت، تین مستقل ہستیاں بن گئیں اور برہمن وشنو پرست اور شیو پرست تین الگ الگ فرقے ہو گئے، اور تینوں کے پوجنے والے الگ ہو گئے لنگایت فرقہ نے خالقیت کی صفت کو اپنا خدا ٹھہرا کر مرد و عورت کے آلاتِ تولید کو اس خالق کا مظہر مان لیا، اور ان کی تصویر پوجنی شروع کر دی،

عیسائیوں نے خدا کی تین بڑی صفتوں یعنی حیات، علم، اور ارادہ کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کر لیا، حیات باپ ہے، علم روح القدس ہے، اور ارادہ بیٹا ہے،

اسی قسم کی چیزیں رومی، یونانی اور مصری تخیل میں بھی ملتی ہیں، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نے اس غلطی کا پردہ چاک کر دیا، اور صفات کی نیرنگی سے دھوکا کھا کر، ایک کو چند سمجھنا انسان کی جہالت اور نادانی قرار دیا، قرآن نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سب خوبیاں اسی ایک پروردگار عالم اللہ کے لیے ہیں، وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۔ سب اچھی صفتیں اسی کے لیے ہیں، اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اللہ ہی آسمان زمین کا نور ہے، عرب میں اسی ہستی کو صفتِ رحم سے متصف کر کے عیسائی اس کو رحمان کہتے تھے، عام مشرکین عرب اس کو اللہ کہتے تھے، قرآن نے کہا:۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ یعنی اس کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جو کہہ کر پکارو سب اچھے نام یا اچھی صفتیں اسی کی ہیں فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ (شوریٰ) پس خدا وہی پیارا ہے یا وہی کام بنانے والا ہے، وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے، اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ہشیار بے شک وہی خدا غفور اور رحیم ہے بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے هُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ (دخان) وہی آسمان میں خدا ہے اور وہی زمین میں خدا ہے، اور وہی حکیم و علیم، حکمت والا اور جاننے والا ہے"۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۔ (دخان) "وہی سننے والا، علم والا ہے، جو آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے بیچ میں ہے، سب کا رب ہے، اگر تم کو یقین آئے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے، وہی تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا رب ہے"۔ یعنی وہی برہما وہی شیو ہے اور وہی وشنو ہے، تینوں ایک ہی کی صفتیں ہیں، صفات کے تعدد اور اختلاف سے موصوف میں تعدد اور اختلاف نہیں۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (جاثیہ ع ۴)	خدا ہی کے لیے سب خوبی ہے، جو رب ہے آسمانوں کا رب ہے زمین کا رب ہے سارے جہان کا، اور اسی کو ہے سب بڑائی آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہی زبردست (اور) حکمت والا ہے۔
هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔	وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ چھپے اور کھلے کا جاننے والا وہی ہے مہربان رحم والا، وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں، وہ بادشاہ، پاک، صلح و امن، امن دینے والا، پناہ میں لینے والا، زبردست دباؤ والا ہے، بڑائیوں والا، پاک ہے اللہ ان باتوں سے جن کو یہ مشرک لوگ اس کا

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔

(حشر - ع ۳)

شریک ٹھہراتے ہیں، وہی خدا ہے جو خالق ہے، جو عدم سے لانے والا ہے، جو صورت گری کرنے والا ہے، اسی کیلئے ہیں سب اچھے نام یا سب اچھی صفتیں، جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں (مخلوقات) ہے، سب اس کی تسبیح پڑھتی ہیں، وہی غالب (اور) دانا ہے۔

ان صفتوں والے خدا کو ہم نے صرف پیغام محمدی ہی کے ذریعہ سے جانا ہے، ورنہ دوسروں نے تو ذات سے صفات کو الگ کرکے ایک خدا کے چند ٹکڑے کر ڈالے تھے، سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ سے مراد وہی شرک ہے جو صفات کو ذات سے الگ کرکے لوگوں نے اختیار کیا تھا، اس آخری پیغام نے بتایا کہ وہی اللہ ہے، وہی خالق ہے، وہی باری ہے، وہی مصور ہے، وہی ملک ہے، وہی قدوس ہے، وہی مومن ہے، وہی عزیز و جبار ہے اور وہی رحمان و رحیم ہے، ایک ہی ذات کی یہ سب صفتیں ہیں، اور وہ ایک ہے،

۳ ۔ شرک کا تیسرا سرچشمہ، افعال الٰہی کی نیرنگی ہے، لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ ان مختلف افعال کی کرنے والی، مختلف ہستیاں ہیں، کوئی مارتی ہے کوئی جلاتی ہے، کوئی لڑاتی لڑواتی ہے، کوئی صلح کراتی ہے، کسی کا کام محبت ہے کسی کا کام عداوت ہے کوئی علم کا دیوتا ہے کوئی دولت کی دیوی ہے، غرض ہر کام کے لیے الگ الگ سیکڑوں خدا ہیں، اسلام نے ان نادانوں کو بتایا کہ یہ سب ایک ہی خدا کے کام ہیں،

تمام افعال کی دو بڑی تقسیمیں ہیں، ایک خیر اور ایک شر، یا یوں کہو کہ ایک اچھی اور دوسری بری، اس خیال سے کہ ایک ہی ذات سے خیر و شر کے دو متضاد کام نہیں ہو سکتے زردشتیوں نے خیر، اور اچھے کاموں اور اچھی چیزوں کے لیے الگ خدا، شر اور برے کاموں اور بری چیزوں کے لیے الگ خدا ٹھہرایا، پہلے کا نام یزدان اور دوسرے کا نام اہرمن رکھا، اور دنیا کو اس یزدان اور اہرمن کی باہمی کشمکش کا معرکہ گاہ ٹھہرایا یہ غلطی اس لیے ہوئی کہ وہ خیر و شر کی حقیقت نہیں سمجھ سکے۔ دوستو! خیر و شر دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے، کوئی شے اپنی اصل کے لحاظ سے نہ خیر ہے نہ شر، وہ خیر اور شر انسانوں کے صحیح استعمال یا غلط استعمال سے بن جاتی ہے، فرض کرو آگ ہے، اگر اس سے کھانا پکاؤ یا انجن چلاؤ یا غریب کو تاپنے کو دو تو یہ خیر ہے، اور اگر اسی سے کسی غریب کا گھر جلا دو تو یہ شر ہے، آگ اپنی اصل کے لحاظ سے نہ خیر ہے نہ شر تم اچھا استعمال ہے اس کو خیر یا شر بنا دیتے ہو، تلوار خود نہ خیر ہے نہ شر، تم اس کو جیسا استعمال کرو ویسی ہی ہے، تاریکی نہ خیر ہے نہ شر، اگر تم اس کو لوگوں کے گھر میں چوری کا ذریعہ بناؤ تو شر، اور اگر اپنے کو چھپا کر نیکیوں کے کرنے کا وقت بناؤ، یا انسان کے حواس کے آرام و سکون اور راحت کا ذریعہ بناؤ تو خیر ہے۔

خدا نے یہ کائنات بنائی، آسمان و زمین بنائے، مادہ کو خلق کیا، اشیاء میں خاصیتیں رکھیں، اور ان کو مختلف قوتیں بخشیں، پھر انسان کو بنایا، اس کو دل و دماغ بخشا، عقل و حکمت دی، اب دیکھو کہ ایک انسان اس کائنات کی ترتیب، اشیاء کی ترکیب اور خاصیتوں کو دیکھ کر ایک خالق و قادر کی صنعت کاری اور صورت گری پر تعجب کرتا ہوا، فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ پڑھ کر حضرت ابراہیم کی طرح یہ پکار اٹھتا ہے، اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ "میں نے اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر اس ذات کی طرف کر لیا، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں" دوسری طرف اسی مادہ اور اس کی قوتوں اور خاصیتوں کی ظاہرداریوں میں پھنس کر انسان کے دل و دماغ کی عقل و حکمت خدا کا انکار کر بیٹھتی ہے، اور مادہ ہی کو اصل کائنات اور علۃ العلل سمجھنے لگتی ہے، اور یہ کہہ اٹھتی ہے، وَمَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ) "اس دنیاوی زندگی کے علاوہ پھر کوئی دوسری زندگی نہیں، ہم مرتے اور جیتے ہیں، اور ہم کو زمانہ کے سوا کوئی اور نہیں مارتا" کائنات اور اس کے عجائبات اور خواص، ہر شخص کے سامنے ایک ہی ہیں، البتہ دماغ ہزاروں ہیں، اُن کو دیکھ کر ایک دماغ خدا پرست ہو جاتا ہے، اور دوسرا گمراہ اور دہریہ بن جاتا ہے، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک ہی چیز ہے، جو ہدایت کرنے والی اور گمراہ کرنے والی دونوں ہے، یا یوں کہو کہ کائنات اپنی اصل کے لحاظ سے نہ ہدایت کرنے والی ہے، نہ گمراہ کرنے والی تم اپنی عقل کے اختلاف سے ہدایت پاتے ہو، یا گمراہ ہو جاتے ہو، تو گویا ایک ہی کائنات ہادی بھی ہے، اور مضل بھی، جس طرح خدا کے اس کام (مادہ) کے دونوں نتیجے ہیں، اسی طرح خدا کے پیغام کے بھی دونوں نتیجے ہیں، اسی قرآن یا انجیل کو پڑھ کر ایک انسان خدا کو پہچانتا ہے، اور تسلی پاتا ہے، اور دوسرے کے دل میں شبہے پیدا ہوتے ہیں، خطرات آتے ہیں، اور انکار کی طرف مائل ہو جاتا ہے، پیغام ایک ہے، البتہ دل دو ہیں، اور یہ دونوں دل اور دونوں دماغ ایک ہی خالق کے مخلوق ہیں، دو خالق نہیں ہیں، نتیجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ افعال کی دوئی فاعل کی دوئی کی دلیل نہیں، یہ تمام نیرنگیاں ایک ہی قدرت کے تماشے ہیں، خیر و شر دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں، ہدایت اور ضلالت دونوں ادھر ہی سے ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

اپنے اس کلام کے ذریعہ وہ (خدا) بہتوں کو راہ راست نہیں دکھاتا، (یا گمراہ کرتا ہے) اور بہتوں کو راہ راست دکھاتا ہے انہی کو راہ راست نہیں دکھاتا جو خدا کے عہد کو باندھ کر توڑتے ہیں، جو اس کو کاٹتے ہیں جس کے

فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے، اور جو زمین میں

(بقرہ ۳۔) فساد کرتے ہیں، یہی ہیں گھاٹا اٹھانے والے۔

وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (بقرہ ۳۶) خدا کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوگا کہ ہدایت اور ضلالت دونوں کی علۃ العلل وہی ہے، مگر دونوں کے لیے ابتدائی محرکات تمہارے ہی ہوتے ہیں، تم نے فسق کیا، قطعِ رحم کیا، فساد کیا، کفر کیا تو اس کے بعد ضلالت آئی، ضلالت پہلے، اور فسق و فجور بعد کو نہیں آیا۔

خدا نے انسان کو پیدا کیا، اور بتا دیا کہ یہ راستہ منزلِ مقصود کو جاتا ہے، اور یہ عمیق غار میں اُن کو لے جاکے گرا دیتا ہے، فرمایا:

اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا ہم نے راستہ اس کو دکھا دیا، (تو وہ پھر)

وَّاِمَّا کَفُوْرًا ۔ (دھر) یا شکر گزار بن جاتا ہے، یا کافر بن جاتا ہے۔

تمام دنیا کی اچھی بُری چیزوں کا وہی ایک خالق ہے، ارشاد ہوا:

اَللّٰہُ رَبُّکُمْ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ لَآ اِلٰہَ اللہ تمہارا رب ہر چیز کا وہی خالق ہے، اس

اِلَّا ھُوَ، (مؤمن) کے سوا کوئی اللہ نہیں۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ اور خدا نے تم کو پیدا کیا اور جو تم بناتے

(صافات ۳۔) ہو اس کو پیدا کیا۔

لیکن:-

اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی ۔ اس نے ہر چیز کو اس کی صورت بخشی، پھر

(طٰہٰ ۲۔) ہدایت دے دی۔

اب تم ہو جو اس کو ہدایت اور ضلالت اور خیر و شر بنا لیتے ہو، اگر غلط راہ پر چلے تو ضلالت ہوئی، صحیح راہ پر چلے تو ہدایت ہوئی، صحیح مصرف میں استعمال کیا تو خیر، اور غلط استعمال کیا تو شر، ورنہ کوئی چیز اپنی اصل کی رو سے ہدایت ہے نہ ضلالت، خیر ہے نہ شر، اس لیے خیر و شر کو دو چیزیں سمجھ کر دو خدا کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہے، جو ان دونوں کا خالق ہے۔

ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے، وہی تم کو

مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے،

اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم کدھر

(فاطر ۔ ۱۲) اُلٹے جاتے ہو۔

خدا نے اپنا پیغام تمہارے سپرد کر دیا، اب تم اس کو مانو یا نہ مانو۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا پھر ہم نے کتاب کا وارث اُن کو بنایا جن کو

مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، تو اُن میں

وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْھُمْ سَابِقٌ، کوئی اپنی جان کا برا کرتا ہے، اور کوئی اُن

بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۔ میں سے بیچ کی چال چلتا ہے، اور کوئی خدا

(فاطر ۔ ع ۴) کے حکم سے خوبیاں لے کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا اور جو پڑے تم پر مصیبت، سو اس کا بدلہ

کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ۔ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا، اور وہ

(شوریٰ ع ۴) معاف کرتا ہے بہت سی باتوں کو۔

فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا ۔ قَدْ ہر نفس میں خدا نے اس کی گنہگاری اور

اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا ۔ وَقَدْ خَابَ نیکوکاری الہام کر دی ہے، تو جس نے اس

مَنْ دَسّٰھَا ۔ (نفس) کو پاک کیا، اس نے نجات پائی، اور

(شمس) جس نے اس کو مٹی میں ملایا وہ ناکام ہوا۔

۴۔ خدا کی عبادت ہر مذہب میں تھی اور ہے، لیکن قدیم مذاہب میں ایک عام غلط فہمی پھیل گئی تھی کہ عبادت کا مقصود جسم کو تکلیف دینا ہے، یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جس قدر اس ظاہری جسم کو تکلیف دی جائے گی اسی قدر روحانی ترقی ہوگی، اور دل کی اندرونی صفائی اور پاکی بڑھے گی، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوؤں میں عام طور سے جوگ اور عیسائیوں میں رہبانیت پیدا ہوئی، اور بڑی بڑی مشکل ریاضتوں کا وجود ہوا، اور اُن کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا گیا، کوئی عمر بھر نہانے سے پرہیز کر لیتا تھا، کوئی عمر بھر ٹاٹ یا کمبل اوڑھے رہتا تھا، کوئی ہر موسم میں یہاں تک کہ شدید جاڑوں میں بھی ننگا رہتا تھا، کوئی عمر بھر کھڑا رہتا تھا، کوئی عمر بھر کے لیے غار میں بیٹھ جاتا تھا، کوئی ساری عمر دھوپ میں کھڑا رہتا تھا، کوئی عمر بھر کے لیے کسی چٹان پر بیٹھ جاتا تھا، کوئی عہد کر لیتا تھا کہ پوری زندگی صرف درختوں کی پتیاں کھا کر گزارے گا، کوئی عمر بھر تجرد میں گزار دیتا تھا، اور قطعِ نسل کو عبادت سمجھتا تھا، کوئی ایک ہاتھ ہوا میں کھڑا رکھ کر سکھا ڈالتا تھا، کوئی حبسِ دم یعنی سانس روکنے کو عبادت جانتا تھا، کوئی درخت میں اُلٹا لٹک جاتا تھا، یہ تھا اسلام سے پہلے خدا پرستی کا اعلیٰ درجہ اور روحانیت کی سب سے ترقی یافتہ شکل، پیغامِ محمدی نے آکر انسانوں کو ان مصیبتوں سے نجات دلائی۔ اور بتایا کہ یہ روحانیت نہیں جسمانی تماشے ہیں، ہمارے خدا کو جسم کی شکل نہیں؛ بلکہ دل کا رنگ مرغوب ہے، طاقت سے زیادہ تکلیف اس کی شریعت میں نہیں۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ۔ خدا کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ

(بقرہ ۔ ۴۰) کا حکم نہیں دیتا

اسلام نے اس رہبانیت کو بدعت قرار دیا اور کہا:

وَرَھْبَانِیَّۃَ نِ ابْتَدَعُوْھَا مَا اور رہبانیت جس کو انہوں (عیسائیوں)

کَتَبْنٰھَا عَلَیْھِمْ، نے دین میں داخل کر دیا، ہم نے اُن پر اس

(حدید ۔ ۴) کو فرض نہیں کیا تھا۔

اور آنحضرت صلعم نے اعلان کیا:

لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ (ابو داؤد) اسلام میں رہبانیت نہیں۔

جن لوگوں نے خدا کی پیدا کی ہوئی جائز لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، ان سے قرآن نے یہ سوال کیا:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ
اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ، (اعراف ۴)

کہو کس نے اللہ کی آرائش جس کو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا، حرام کی۔

یہاں تک کہ خود پیغمبر اسلام علیہ السّلام نے ایک دفعہ اپنے اوپر شہد حرام کر لیا تو تنبیہ ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ
اللهُ لَكَ ، (تحریم ۔۱)

اے پیغمبر! خدا نے جس کو تیرے لیے حلال کیا ہے اس کو حرام کیوں کرتا ہے۔

پیغام محمدی نے سب سے پہلی دفعہ دنیا کو بتایا کہ عبادت کا مقصود فقط ایک ہے، اور وہ یہ کہ بندہ خدا کے آگے اپنی بندگی کا اقرار کرے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ
سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۔ (مومن ۲)

جو میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے۔

یعنی عبادت یہی ہے کہ بندہ میں سرکشی نہ ہو، یہی چیز عبادات کے مختلف ارکان کو بجا لا کر انسان ظاہر کرتا ہے، کہ وہ خدا سے سرکش نہیں بلکہ اس کا اطاعت گزار اور فرمانبردار ہے۔

اسلام میں عبادت کی غایت اور نتیجہ کیا ہے؟ فقط حصولِ تقویٰ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ
خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ (بقرہ ۔ع ۳)

اے لوگو! تم اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔

نماز سے فائدہ یہ ہے کہ

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ
وَالْمُنْكَرِ ، (عنکبوت ع ۵)

یقیناً نماز کھلی بدکاریوں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔

روزوں سے مقصود یہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ (بقرہ ع ۲۳)

اے مسلمانو! تم پر اسی طرح روزہ فرض کیا گیا، جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا، تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔

حج سے مطلب یہ ہے:

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ
اللهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ
مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ، (حج ۔۴)

تاکہ اپنے نفع کی جگہوں پر لوگ پہنچیں، اور تاکہ چند معلوم دنوں میں جو جانور اللہ نے ان کی روزی کر دی ہے، اس پر اللہ کو یاد کریں۔

زکوٰۃ سے مقصود، اپنے دل کی صفائی اور غریبوں کی مدد ہے۔

الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۔ وَمَا
لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۔
اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۔ (اللیل)

جو دیتا ہے اپنا مال دل کی صفائی کرنے کو اور نہ اس لیے کہ کسی کا کوئی احسان اس کے ذمہ ہے جس کا بدلہ چکاتا ہے، صرف خدائے برتر کی طلب رضا مقصود ہے۔

نکاح کرنا، اور نسل کو ترقی دینا اسلام کے پیغمبر کی سنّت ہے، آپ نے فرمایا۔

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ وَمَنْ رَغِبَ
عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ ،

نکاح میرا طریقہ ہے، اور جس نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔

قرآن مجید نے اولاد و ازواج کو آنکھوں کی ٹھنڈک بتایا، اور مسلمانوں کو اس خواہش کا متمنی قرار دیا۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ
اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ ،
(الفرقان ع ۶)

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خداوندا ہم کو ہماری بیبیوں اور بچوں کے ذریعہ سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر،

منجملہ دوسری عبادتوں کے ایک عبادت قربانی بھی تھی، لوگ اپنے آپ کو دیوتاؤں پر قربان کر دیتے، اپنی اولاد کو اپنی ملک سمجھتے اور ان کو بھینٹ چڑھا دیتے تھے، دیوتاؤں کو خون کے چھینٹے دیے جاتے تھے، جو جانور قربانی کیے جاتے تھے، اُن کا گوشت جلایا جاتا تھا، کہ اس کا دھواں دیوتاؤں کو خوش آتا تھا، یہودی اسی لیے قربانی کے گوشت کو جلاتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے آکر بتایا کہ قربانی سے مقصود کیا ہے۔ آپ کے پیغام نے انسانوں کی قربانی قطعاً موقوف کر دی، جانوروں کی قربانی جائز رکھی، مگر نہ تو اُن کے خون کے چھینٹے دینے کا حکم دیا، اور نہ گوشت کے جلانے کا، اس نے قربانی کی مصلحت یہ بتائی۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ
اللهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا
اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۔ فَاِذَا
وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ
اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ
سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔
لَنْ يَّنَالَ اللهَ لُحُوْمُهَا وَلَا
دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ
التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا
لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا
هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۔
(حج ۔ ۵)

اور حج کی قربانیوں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کے نام کی نشانی بنائی، تمہارے لیے ان قربانیوں میں بھلائی ہے، تو ان پر اللہ کا نام پڑھو قطار باندھ کر، اور جب وہ ذبح ہو چکیں تو ان میں سے کچھ تم خود کھاؤ، اور باقی صابر اور بے قرار غریبوں کو کھلا دو، اسی طرح ہم نے یہ جانور تمہارے بس میں دے دیے ہیں، تاکہ تم ہمارا شکر ادا کرو، ہرگز اللہ کو ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، لیکن تمہارے دل کا تقویٰ اس کو پہنچتا ہے، اسی طرح ان کو تمہارے بس میں دے دیا تاکہ اس بات پر کہ خدا نے تم کو راہ سوجھائی، اس کی بڑائی کرو، اور نیکی والوں کو اے پیغمبر بشارت سنا دے۔

اسی قربانی کے غلط عقیدہ نے یہ مسئلہ پیدا کر دیا تھا کہ ہر انسان کو اپنی جان پر آپ قابو ہے، اور وہ اس کی ملکیت ہے، اسی طرح اس کی اولاد کی جان بھی اس کی ملکیت ہے، بیوی کی جان اس کے شوہر کی ملکیت ہے، اس ایک غلط اصول نے خودکشی، دخترکشی، اولاد کو بھینٹ چڑھا دینا، یا ان کو مار ڈالنا، اور شوہر کے مرنے کے بعد بیوی کا ستی ہو جانا، سیکڑوں انسانیت کش رسوم پیدا کر دیے تھے، پیغام محمدی نے ان سب کی بیخ کنی کر دی، اس نے اپنا اصول یہ مقرر کیا کہ تمام جانیں، صرف خدا کی ملکیت ہیں، اور ان کا قتل صرف خدا کے حق کی بنا پر ہو سکتا ہے، اسی لیے غیر خدا کے نام پر جو جانور ذبح کیا جائے اس کا کھانا ناجائز ہے، خودکشی کرنے والوں پر اپنی جنت بھی اس نے حرام کر دی، اسلام کے سوا تمام دنیا میں اور اس وقت بھی یورپ اور امریکہ جیسے مہذب ملکوں میں مشکلات سے بچنے کی بہترین تدبیر خودکشی سمجھی جاتی ہے، قانون اس کو روکنا چاہتا ہے، اور نہیں روک سکتا، کیونکہ ہر شخص اپنی جان کو اپنی ملکیت سمجھ رہا ہے، اور اس کو دنیا کی مصیبتوں سے چھٹکارے کا ذریعہ یقین کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ اس موت کے بعد یا تو کوئی زندگی نہیں، اور اگر ہے بھی تو خدا ہم سے ہمارے اس فعل کی کچھ باز پرس نہ کرے گا، مگر اسلام نے بتایا کہ ہر جان ہماری نہیں بلکہ خدا کی ملکیت ہے، اور اس لیے خودکشی کے ذریعہ سے مصیبتوں سے چھٹکارے کا خیال غلط ہے، کیونکہ اس طرح سے اپنی جان دینے پر دوسری دنیا میں مصیبتوں سے بھی زیادہ پُر مصیبت زندگی شروع ہو جائے گی۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ — اور نہ مارو جان جو منع کی ہے اللہ نے مگر حق
إِلَّا بِالْحَقِّ، وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنْفُسَكُمْ — پر اور اپنے آپ کو نہ مارو بیشک خدا تم
إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۔ وَمَنْ — پر مہربان ہے اور اس لیے مہربانی کے سبب
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا — سے تم کو یہ حکم دیتا ہے اور جو خدا کے حکم سے
فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ — آگے بڑھ کر اور اپنے آپ پر ظلم کر کے ایسا
(نساء ۔ ۵۵) — کریگا، تو ہم اس کو دوزخ کی آگ میں بٹھائیں گے

دخترکشی عرب میں جاری تھی، ہندوستان کے راجپوتوں میں جاری تھی، دنیا کے اور ملکوں میں جاری تھی، عرب میں تو یہ سنگدلی تھی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، پیغام محمدی کے ایک فقرہ نے اس رسم باطل کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ، بِأَيِّ — اور جس دن زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے
ذَنْبٍ قُتِلَتْ، (تکویر) — پوچھا جائیگا کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی

اپنی اولاد کو قتل کرنا عرب میں جرم نہ تھا، آج بھی اس تہذیب کے عالم میں کثرت سے بچے اس لیے قتل کر دیے جاتے ہیں کہ اُن کی پرورش کا پاس سامان نہیں، کہا جاتا ہے کہ ملک کی پیداوار کم ہے، اس لیے مردم شماری کو بڑھنے سے روکنا چاہیے، عرب میں اور دوسری قوموں کے قانون میں بچہ کے پیٹ سے گرا دینے یا ایسے بچہ کے قتل پر کوئی پرسش نہ تھی، یونان میں نو مولود بچوں کا معائنہ کیا جاتا تھا، اور اُن میں سے کمزور بچوں کے جینے کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا، اس کو پہاڑ سے نیچے گرا کر مار ڈالتے تھے، اور آج بھی ضبط تولید (برتھ کنٹرول) کے نام سے یہی کچھ کیا جا رہا ہے۔

اسلام نے یہ اصول بتایا کہ روزی کوئی کسی کو نہیں دیتا، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ” کوئی چلنے والا نہیں، لیکن اسکی روزی خدا پر ہے“، اسلیے اس نے کہا،

وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ — اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے نہ مار ڈالو، ہم
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ، إِنَّ قَتْلَهُمْ — روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو، بیشک ان
كَانَ خِطْأً كَبِيرًا ۔ (بنی اسرائیل) — کا مارنا بڑی غلطی ہے۔

دنیا کی عظیم الشان غلطیوں میں سے، جو اب بھی دنیا کے اُس حصہ میں قائم ہیں، جہاں محمد صلعم کا پیغام قبول نہیں کیا گیا، ایک یہ ہے کہ لوگوں نے خدا کے بندوں کے درمیان حسب و نسب، مال و دولت، رنگ روپ، صورت و شکل کی دیواریں قائم کر دی ہیں، ہندوستان نے ابتدا سے آج تک اپنے سوا سب کو ملیچھ، اور ناپاک قرار دیا، اور خود اپنے کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے ان میں عزت اور حقوق کی ترتیب قائم کی، شودروں کو مذہب کا بھی حق نہ تھا، قدیم ایران میں بھی یہ چار ذاتیں اسی طرح قائم تھیں، رومنس نے اپنے کو آقائی اور اپنے سوا سب قوموں کو غلامی کے لیے مخصوص کر لیا، بنی اسرائیل نے صرف اپنے آپ کو خدا کی اولاد قرار دیا، اور سب کو جینٹائل (چنڈال) قرار دیا، اور خود اپنی قوم کے اندر بھی مختلف بیرونی مدارج قائم کر دیے، خود یورپ کا اس تہذیب اور انسانی محبت و مساوات کے دعوی کے باوجود کیا حال ہے؟ سپید آدمی تہذیب و تمدن کا ٹھیکہ دار اور اس بارِ گراں کا امین قرار دیا گیا ہے، کالی قومیں اس کی برابری کے لائق نہیں ہیں، ایشیائی قومیں ان کے ساتھ سفر میں بھی ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتیں، بعض ملکوں میں ان کے محلوں (کوارٹرس) میں رہ بھی نہیں سکتیں، اور اُن کے حقوق کی برابری نہیں کر سکتیں، امریکہ کے انسانیت پرستوں کی نگاہ میں وہاں کے حبشی باشندوں کو جینے کا بھی حق نہیں ہے، اور جنوبی و مشرقی افریقہ میں تو حبشیوں بلکہ ہندوستانیوں بلکہ ایشیائیوں کو بھی انسانی حقوق کی برابری نہیں مل سکتی حقوق دنیاوی سے گزر کر یہ تفرقے خدا کے گھروں میں بھی قائم ہیں، کالوں کے گرجے الگ ہیں، اور گوروں کے الگ، خدا کے یہ دونوں کالے اور گورے بندے ایک ساتھ ایک خدا کے آگے نہیں جھک سکتے، پیغام محمدی نے ان تمام تفرقوں کو مٹا دیا اس کے نزدیک حسب و نسب، مال و دولت، شکل و صورت ان میں سے کوئی چیز امتیاز نہیں پیدا کر سکتی، وہ قریش جن کو اپنے حسب و نسب پر غرور و ناز تھا، فتح مکہ کے دن کعبہ کے حرم میں کھڑے ہو کر ان کو آپ نے یہ بتایا۔

یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب — اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا

عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء الناس من آدم وآدم من تراب، (ابن ھشام)

غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا، تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں، اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔

حجۃ الوداع کے مجمع میں پھر اعلان کیا۔

لیس للعربی فضل علی العجمی ولا للعجمی فضل علی العربی کلکم ابناء آدم و آدم من تراب، (مسند احمد)

عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں ہے، تم سب کے سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

پھر بتایا کہ اصلی فرق عمل کا ہے۔

ان اللہ اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انما ھو مومن تقی وفاجر شقی، الناس کلھم بنو آدم وآدم خلق من تراب۔ (ترمذی وابوداؤد)

خدا نے جاہلیت کے زمانہ کے غرور اور نسب کے فخر کو مٹا دیا، انسان اب یا متقی ایماندار ہے اور یا گنہگار بدبخت ہے، تمام انسان آدم کے بیٹے ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔

وحیِ محمدیؐ نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے بتایا۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، (حجرات۔ ع ۲)

اے انسانو! تم سب کو خدا نے ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو قبیلہ قبیلہ اور خاندان خاندان صرف اس لیے بنا دیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو خدا کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے، جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

وَمَآ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا (سبا۔ ع ۱۵)

نہ تمہاری دولت اور نہ تمہاری اولاد وہ چیز ہے جو تم کو درجہ میں ہمارے پاس نزدیک کر دے، لیکن جو کوئی ایمان لایا، اور اس نے اچھا کام کیا ان کو اپنے کام کا دونا بدلہ ملے گا۔

تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی کا رتبہ دیا، اور یہ پیغام ملا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ "تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں" اور آپ نے اسی کے مطابق حجۃ الوداع میں ایک لاکھ انسانوں کے سامنے یہ اعلان کیا، کہ المسلم اخو المسلم "ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے" اس برابری اور برادری نے کالے گورے، عجمی، عربی، ترکی، تاتاری، زنگی، اور فرنگی کا فرق اٹھا دیا، اور خدا نے ان پر اپنا یہ احسان جتایا، کہ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا، "خدا کے فضل سے تم سب کے سب اب بھائی بھائی ہو گئے" خدا کے گھر میں کوئی فرق نہیں، حسب ونسب کا کوئی فرق نہیں، پیشہ اور منصب کا کوئی فرق نہیں، غربت اور امارت کا کوئی فرق نہیں، خدا کے آگے سب برابر ہیں، یہاں نہ کوئی برہمن ہے نہ شودر، قرآن سب کے ہاتھ میں دیا جائے گا، نماز سب کے پیچھے پڑھی جائے گی، رشتہ ناتا ہر ایک کا ہو سکتا ہے، علم ہر ایک کا حق ہے، اور حقوق سب کے یکساں ہیں، یہاں تک کہ خون بھی سب کا برابر ہے، النفس بالنفس، "جان کے بدلے جان"

تیرے دربار میں آئے تو سبھی ایک ہوئے

عزیز نوجوانو! میرا دل چاہتا تھا کہ تمہارے سامنے پیغامِ محمدیؐ کے احسانات کو ایک ایک کر کے گنا دوں، مگر افسوس کہ بقدرِ حوصلہ فرصت نہیں، اور اس بحرِ ناپیدا کنار کی تھاہ بھی نہیں، عورتوں کو جو حقوق پیغامِ محمدیؐ نے دیے ہیں، اور غلاموں کو جس حد تک اس نے عزت دی ہے جی چاہتا تھا کہ اس کو بھی تمہارے سامنے پھیلاؤں اور دکھاؤں کہ یورپ با ایں ہمہ دعوائے بلندی، ہنوز اسلام کے اوجِ خیال سے نیچے ہے، مگر افسوس کہ وقت نہیں۔

دنیا میں جس چیز نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلائی، وہ دین اور دنیا کا فرق ہے، دین کا کام الگ کیا گیا، اور دنیا کا کام الگ، خدا کا حکم الگ ٹھہرایا گیا اور قیصر کا حکم الگ، دنیا کے حصول کا الگ راستہ بنایا گیا، اور دین کے حصول کا الگ، نونہالانِ اسلام! یہ سب سے بڑی غلطی تھی، جو دنیا میں پھیلی تھی، اس غلطی کا پردہ پیغامِ محمدیؐ کی نور افگن شعاعوں نے چاک کر دیا، اس نے بتایا کہ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اسی دنیا کے کاموں کو خدا کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق انجام دینا دین ہے، یعنی خدا کے اصول کے مطابق دنیا داری ہی دینداری ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ذکر و فکر، گوشہ نشینی و عزلت گیری کسی غار اور پہاڑ کے کھوہ میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرنا دینداری ہے، اور دوست واحباب، آل واولاد، ماں باپ، قوم و ملک اور خود اپنی آپ مدد، فکرِ معاش اور پرورش اولاد دنیا داری ہے، اسلام نے اس غلطی کو مٹایا اور بتایا کہ خدا کے مطابق ان حقوق اور فرائض کے بخوبی ادا کرنا بھی دینداری ہی ہے۔

اسلام میں نجات کا مدار دو چیزوں پر ہے، ایمان اور عملِ صالح، ایمان پانچ چیزوں پر اعتقاد رکھنے کا نام ہے، خدا پر، نیکی کی راہ بتانے والے پیغمبروں پر، پیغمبروں تک خدا کا پیغام لانے والے فرشتوں پر، اُن کتابوں پر جن میں خدا کے یہ پیغام ہیں، اُس پیغامِ الٰہی کے مطابق عمل کرنے والوں یا عمل نہ کرنے والوں کی جزا و سزا پر، انہی پانچ باتوں پر یقین رکھنا ایمان ہے، اسی ایمان پر عمل کی بنیاد قائم ہے، کیونکہ اس ایمان و یقین کے بغیر نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ کوئی عمل نہیں ہو سکتا، دوسری چیز عمل ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے کام صالح اور نیک ہوں، عمل کے جیسا کہ میں نے ساتویں خطبہ میں کہا ہے، تین حصے ہیں، ایک عبادات یعنی وہ عمل جن کے ذریعہ

خداکی بڑائی اور بندہ کی بندگی کا اظہار ہوتا ہے، دوم معاملات یعنی انسانوں کے آپس کے لین دین، کاروبار اور نظم ملت کے قوانین اور قاعدے جن کی وجہ سے انسانی معاشرت بربادی اور ہلاکت سے بچی رہتی ہے، اور ظلم مٹ کر عدل قائم ہوتا ہے، اور سوم اخلاق، یعنی وہ حقوق جو باہم ایک دوسرے پر گو قانونی حیثیت سے فرض نہیں ہیں، مگر روح کی تکمیل اور معاشرت کی ترقی کے لیے ضروری ہیں، انہی چار چیزوں، یعنی، ایمان، عبادات، معاملات اور اخلاق کی سچائی اور درستی ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔

نوجوانو! مجھے صفائی کے ساتھ یہ کہنے دو کہ خاموشی، سکون، خلوت نشینی، اور منفردانہ زندگی اسلام نہیں ہے، اسلام جدوجہد، سعی و عمل اور سرگرمی ہے، اور موت نہیں حیات ہے، اس کا فرمان یہ ہے:۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (نجم ۳) انسان کے لیے وہی ہے جو وہ کوشش کرے،

اور

كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ، (مدثر ۱) ہر جان اپنے کام کے ہاتھوں گرو ہے۔

اسلام سرتاپا جہاد اور مجاہدہ ہے، لیکن خلوت میں بیٹھ کر نہیں، بلکہ میدان میں نکل کر، محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی تمہارے سامنے ہے، خلفائے راشدین کی زندگی تمہارے سامنے ہے، عام صحابہؓ کی زندگی تمہارے سامنے ہے، وہی تمہارے لیے نمونہ ہے، اور اسی میں تمہاری نجات ہے، اور وہی تمہارا ذریعۂ فلاح ہے، اور وہی ترقی اور سعادت کی راہ ہے، محمد صلعم کا پیغام بودھ کے پیغام کی طرح ترکِ خواہش نہیں ہے بلکہ تصحیحِ خواہش ہے، محمد صلعم کا پیغام حضرت مسیحؑ کے پیغام کی طرح دولت اور قوت کی تحقیر اور ممانعت نہیں ہے، بلکہ اُن کے حصول اور صرف کے طریقوں کی درستی، اور اس کے صحیح استعمال اور مصرف کی تعیین ہے۔

دوستو! ایمان اور اس کے مطابق عمل صالح یہی اسلام ہے، اسلام عمل ہے، ترکِ عمل نہیں، ادائے واجبات ہے، عدمِ واجبات نہیں، ادائے فرض ہے ترکِ فرض نہیں، اس عمل اور ان واجبات اور فرائض کی تشریح تمہارے پیغمبر اور اُن کے یارانِ باصفا کی زندگیوں اور سیرتوں میں ملے گی، جن کا نقشہ یہ ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ — محمد خدا کے رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں
اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ — وہ کافروں پر بھاری آپس میں رحمدل ہیں، ان
تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا — کو دیکھو گے کہ وہ رکوع اور سجدہ میں ہیں خدا
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا، (فتح ۴) — کی مہربانی اور خوشنودی کو ڈھونڈ رہے ہیں،

کافرانِ حق کے ساتھ جہاد بھی قائم ہے، آپس میں برادرانہ الفت کے جذبات بھی ہیں خدا کے سامنے رکوع میں جھکے اور سجدہ میں گرے بھی ہیں، اور پھر دنیا میں خدا کی مہربانی اور رضا کے طالب بھی ہیں، "خدا کی مہربانی" "فضل" قرآن پاک کی اصطلاح میں روزی اور معاش کو کہتے ہیں، اس روزی اور معاش میں بھی دین کی طلب جاری ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا — یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت
بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، (نور ۵) — خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

تجارت، خرید و فروخت اور کاروبار بھی جاری ہیں، اور خدا کی یاد بھی قائم ہے، وہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو نہیں ڈھونڈتے، بلکہ دونوں کو ساتھ ساتھ،

درکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق

مسلمانوں اور رومیوں میں جنگ ہے، صحابہؓ فوج کے سپاہی ہیں، رومی سپہ سالار ان مسلمان سپاہیوں کی حالت دیکھنے کے لیے اسلامی کیمپ میں چند جاسوس بھیجتا ہے، وہ یہاں مسلمانوں کو دیکھ کر واپس جاتے ہیں، تو سرتاپا اثر میں ڈوبے ہوتے ہیں، وہ جا کر رومی سپہ سالار کو بتاتے ہیں کہ مسلمان کیسے سپاہی ہیں ھم بالليل رھبان و بالنھار فرسان: "وہ راتوں کے راہب ہیں اور دن کے شہسوار" یہی اسلام کی اصلی زندگی ہے۔

حضرات! آج سلسلۂ تقریر کا آخری دن تھا، میرا خیال تھا کہ میں آٹھ تقریروں میں سیرتِ محمدی اور پیغامِ محمدی کے متعلق سب کچھ کہہ سکوں گا، مگر آٹھ تقریروں کے بعد بھی موضوع تفصیل کا تشنہ ہے، سب کچھ کہا مگر کچھ بھی نہ کہا۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اولِ وصفِ تو ماندہ ایم

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

لاہور میں
پکی پکائی، تازہ روٹی کی فروخت
میں ۷۵ فیصد اضافہ



جنوری ۱۹۷۶ء میں پکی پکائی، تازہ روٹی کی ماہانہ فروخت
گیارہ لاکھ تک پہنچ گئی ہے جو اکتوبر ۱۹۷۵ء کے مقابلے میں
۷۵ فیصد زیادہ ہے۔

روٹی کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لئے مزید تین پلانٹ
۱۹۷۶ء کے وسط سے کام شروع کر دینگے۔

پکی پکائی تازہ روٹی - دن بھر تازہ رہتی ہے

وفاقی حکومت کا پائلٹ پراجیکٹ

تکمیل کار:- مائیکاس ایس سی ایمس (پاکستان) لمیٹڈ

Scanned by CamScanner